باب چہارم

اقبال کی فطرت نگاری کی اہم خصوصیات

فطرت ایک وسیع الاطراف موضوع ہے ۔ اس کا مطالعہ اور مشاہدہ انسان کو فکر کی وسعت اور نظر کی رفعت عطا کرتا ہے ۔ تخلیقی ادیبوں قلمکاروں ، شاعروں اور منظر نگاروں نے اپنی جداگانہ صلاحیتوں اور فنی نزاکتوں کے ساتھ اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے ۔ اسکی مختلف حیثیتوں جہتوں اور گوشوں کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے ۔ فطرت سے دلچسپی رکھنے والا بڑا خوش نصیب ہوتا ہے ۔ وہ کارخانۂ فطرت کے ایک ایک ذرّے سے زندگی کی ہزاروں مسرتوں سے لذت کش ہوتا ہے ۔ وہ فطرت کی رنگا رنگی میں شاعر صد رنگ کا نظارہ کرتا ہے اور یہی نظارہ جب ایک فعال ، خلاق اور روشن دماغ شاعر کرتا ہے ، تب اسرار کے خزانے کھل جاتے ہیں ۔

اقبال فطرت پسند شاعر تھے اور فطرت کے ذرّے ذرّے میں انہیں شان خداوندی نظر آتی تھی ۔ فطرت کے مناظر اور مظاہر کے ساتھ اقبال نے اپنا رشتہ ذہنی طور پر اس قدر مستحکم کیا تھا کہ ان کے کلام میں ہزاروں مقامات پر فطرت اپنے جلوے دکھاتی اور اپنے مظاہر سے سکون و طمانیت کی

حالت پیدا کرتی ہے ۔ فطرت پسندی کے اسباب میں در اصل توحید وہ اہم سبب ہے جس کی رو سے ہر ذرّہ ، پتا ، شجر ، حجر اور رات دن اللہ کی وحدانیت کے نغمے الاپتے ہیں اور یہ اس ذات عالی کے آثار ہیں جو لافانی اور لاشریک ہے ۔ فطرت نگاری ایک بہت بڑا فن ہے اور اس فن کو اقبال نے اس قدر خوبی کے ساتھ برتا ہے کہ اقبال اردو کے چوٹی کے فطرت نگار شاعروں میں شمار ہوسکتے ہیں ۔ اشفاق حسین ناظر نے اپنے ایک مضمون "اقبال اور فطرت نگاری" میں لکھا ہے :

"وہ فکر و تخیل سے فطرت کے دلآویز اور شوخ موقعوں میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے اور اس کے ذریعے حسن کے نئے نئے اور دلفریب پیکر تخلیق کرتا ہے ۔ عارض گل کی تابانی ، شاخوں کا آنچل ، عروس لالہ کا حسن ، چشمہ کہسار ، مہتاب کی کرن برگ گل پر شبنم کے گوہر اور بہتے ہوئے دریا کی روانی ادبی مصوری کے تخیل ہیں جس سے شاعری کا حسن بڑھتا ہے ۔ شاعر تخلیقی عمل میں یہ تخیل دلکش بناکر پیش کرتا ہے ۔ ادبی مصوری لطیف تصورات اور جذبہ و تخیل کے احساسات سے پروان چڑھتی ہے اور جب شاعر آرٹ کے ذریعے فطرت سے تعلق پیدا کرتا ہے تو شاعری ادبی مصوری کے روپ میں ڈھل جاتی ہے۔

اقبال ادبی مصور اس لئے ہے کہ اس کا آرٹ فطرت سے
گہرا تعلق رکھتا ہے۔" [1]

جب ہم اقبال کے کلام میں فطرت کی مصوری کی تلاش میں نکلتے ہیں تو بہار اور خزاں میں فطرت کی جو بھی رنگینیاں ، دریاؤں ، جھیلوں اور ندیوں میں جو بھی روانیاں اور سبزہ زاروں اور پھولوں میں جس قدر بوقلمونیاں موجود ہیں وہ نکھر نکھر کے ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہیں ۔ کبھی وہ بہار کے پڑے کارواں کا ذکر کرتے ہیں تو دامن کہسار کو باغ ارم سے مشابہ کرتے ہیں ۔ رنگارنگ پھولوں کے نام لیکر ہمارے سامنے رنگ و بو کی ایک مشکبار فضا سامنے لاتے ہیں ۔ ندی نالے کا تذکرہ ہوتا ہے تو پانی کا اچھلنا ، تڑپنا سنبھلنا اور پیچ کھاکھا کر نکلنے کا منظر نہایت ہی دلنشیں پیرائے میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ " ساقی نامہ " کے پہلے بند میں کیا ہے ۔ شاید اردو کی کسی مثنوی میں بہار یہ شہید کا رشتہ زندگی کے ساتھ ایسے کہیں جڑا ہوا نظر آتا ہے ، جیسا کہ ان اشعار میں ہے :

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہید ازل لالہ خونیں کفن

---

[1] اقبال اور فطرت نگاری ۔۔ اشتیاق حسین ناہ ۔۔ ص 161
مضمون مشمولہ اقبال ۔۔ ایک تجزیاتی مطالعہ مرتبہ سعید معراج نیر

جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
ہوا نیلی نیلی فضا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور[1]

اور جن پھولوں اور بہار کے کاروان کا نقشہ اقبال نے کھینچا ہے ایک دوسرے موقعے پر پھولوں کو سینکڑوں روپ اور ہزاروں پہلو دیکر مصوری اور فطرت نگاری کا کمال دکھاتے ہیں :

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھکو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے ، نیلے نیلے ، پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن[2]

قدرت کے خوبصورت کارخانے کی متنوع اشیاء اور مناظر سے اقبال کی نظر لذت حاصل کرتی ہے ان کے خیال میں قدرت کے اندر جلال اور جمال دونوں کیفیتیں

---

1. بال جبریل — علامہ اقبال — ص 122 — اعتقاد پبلشنگ ہاؤس 1501 گلی کوتانہ نشی دلی
2. ایضاً ص 30

موجود ہیں چنانچہ علامہ کے نزدیک جس شئے میں جلالی شان نہیں وہ شئے نامکمل اور ناکارہ ہے ۔ اقبال فطرت کی زبردست تعریف و توصیف کرتے ہیں مگر وہ فطرت پرستی کی طرف اپنے قاری کو نہیں لے جاتے ہیں جیسا کہ وارڈ سورتھ کی شاعری کا خاصا ہے وہ پڑھنے والے کو فطرت کی پرستش کی طرف بتدریج لے جاتا ہے ۔ اقبال کا ذہن فطرت سے مسرت اور بصیرت اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ حیات اور کائنات کے اسرار و معارف کی تلاش کی طرف مائل کر دیتا ہے ۔ اردو زبان کے بلند پایہ شاعروں نے منظر کشی کے بے مثال نمونے ادب کو فراہم کئے ہیں ۔ ان شاعروں میں قلی قطب شاہ ، نظیر ، انیس محمد حسین آزاد اور جوش چند ایسے نام ہیں جن کی عمدہ اور اعلیٰ منظرنگاری قابل تحسین ہے لیکن اقبال اگر چہ متذکرہ شعراء کے پائے کا منظر نگار شاعر نہیں تاہم جو بات انہیں ممتاز اور مخصوص مرتبہ عطا کرتی ہے وہ یہ ہے اقبال اپنے تخیل کی بلندی سے ایسی تشبیہیں اور صورتیں پیدا کرتے ہیں جن کا جواب نہیں ۔ مثال کے طور پر اس بند میں کیسا سماں بندھ گیا ہے :

لیلئی شب کھولتی ہے آکے جب زلف رسا

دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا

وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا

وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوش نما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر[1]

فطرت نگاری کے تعلق سے اقبال کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے فطرت اور آرٹ کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مربوط کر دیا ہے کہ شاعری ساحری معلوم ہوتی ہے ۔ شاعر چاند کی پر سکوت خاموشی ، درخت کی ٹہنیوں کی خاموشی اور کہساروں کے سبزہ زاروں کی خاموشی کا ایسا نظارہ لفظوں کے لباس میں ڈھانپتا ہے کہ فکر و فن حیرت کی انتہا کو چھو جاتی ہے " ایک شام " میں حسن کی خاموشی " ش " کی تکرار کے ساتھ بیاں ہوئی ہے :

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خاموش ہر شجر کی
وادی کے نوافروش خاموش
کہسار کے سبزہ پوش خاموش
فطرت بے ہوش ہو گئی ہے
آغوش میں شب کے سو گئی ہے[2]

---

[1] بانگ درا ـــ اقبال ـــ ص 23 ـــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
[2] ایضاً ص 128

ان اشعار میں خاموش، نوافروش ، سبزہ فروش ، آغوش اور بے ہوش جیسے الفاظ استعمال میں لاکر فنکاری کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے ۔

اقبال نے اپنی بڑی نظموں مثلاً مسجد قرطبہ ، ذوق و شوق اور طلوع اسلام میں جہاں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو دنیا کے سامنے پورے آب و تاب کے ساتھ لایا ہے وہاں ان نظموں میں منظر کشی کے اعلیٰ نمونے بھی پیش کئے ہیں ۔ ایک بڑا آرٹسٹ ہی فکر و خیال کا یہ منظر سامنے لا سکتا ہے جو اقبال نے دریائے نیکر (ہائیڈل برگ جرمنی) کی ایک شام میں لایا ہے:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسن ازل کی ہے نمود چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لئے ہزار سود ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں ؎1

؎1 علامہ اقبال — بال جبریل — ص 111 ۔ اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس 1561 گلی کرتانہ نئی دلی

ان پانچ اشعار پر غور کرنے سے ہمارے سامنے یہ بات کھل کر آجاتی ہے کہ اقبال منظر کشی کرتے ہوئے ایک نیا باب کھول دیتے ہیں اور ایک نئی روایت کو آگے بڑھا دیتے ہیں ۔ گلاب شب کی سرخ و کبود بدلیاں اور کوہ اضم کو ملنے والی رنگ برنگ طیلساں کو مد نظر رکھتے ہوئے دنیا کے بڑے ڈیزائن ساز نقاش اور آرٹسٹ زبردست فن پاروں کو جنم دے سکتے ہیں ۔

فطرت کے ساتھ گہرا رشتہ پورے کلام اقبال سے ظاہر ہے لیکن اقبال کی فطرت پسندی ، فطرت پرستی اور فطرت کے مظاہر میں گم گشتگی کا اصل زمانہ " بانگ درا " کا زمانہ ہے جس میں مناظر فطرت سے متعلق انکی مصوری اور منظر کشی ماہرانہ شکل و صورت اختیار کر لیتی ہے ۔اگلی سطور میں میری توجہ کلام اقبال کی منظری نظموں کے فکری اور فنی محاسن کو ابھارنے اور ان نظموں کا تجزیہ اور تنقیدی محاسبہ کرنے پر مرکوز ہوگی ۔

اردو کے تمام شعراء میں اقبال وہ واحد خوش نصیب شاعر ہے جسکی زندگی ، شاعری ، فکر و فلسفہ اور ادبی کارناموں پر تحقیق و تلاش کا کام اسی وقت شروع ہوا جب وہ بقید حیات تھے ۔ ان کی شاعری اور فلسفے پر لمبی چوڑی بحثیں ہوتی رہی ۔کچھ تو انھیں اردو کا سب سے بڑا شاعر خیال کرتے ہیں اور کچھ لوگ انھیں بحیثیت ایک فلاسفر کے پیش کرتے ہیں ۔ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو انھیں ایک ملی شاعر مانتے ہیں۔دراصل اقبال کی اتنی جہتیں ہیں

کہ ہر ایک اپنے اپنے خیال اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے ان پر گفتگو کرتا اور ان کی شاعری کا محاکمہ کرتا ہے ۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اقبال کی شاعری میں فلسفہ بھی ہے، تصوف اور فقر کے مسائل سے متعلق باریک اشارے بھی ہیں، عقل و عشق کا موازنہ بھی ہے، قرآن اور صاحب قرآن سے بے پناہ لگاؤ بھی ہے ۔ انسانی دنیا اور خاص طور مسلمانوں کو درپیش مسائل کا ذکر بھی ہے اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کے نکات بھی موجود ہیں ۔

اقبال کے افکار و خیالات اور جذبات و احساسات نے اردو شاعروں کو نئی وسعتوں، نئی جہتوں اور نئی منزلوں سے آشنا کیا ۔ ان کے اردو کلام میں جہاں ہمیں فکر و نظر کے گراں قیمت جواہر پارے ملتے ہیں وہاں ہم انگریزی، عربی اور فارسی شاعری کے خزینوں سے انکی گہری واقفیت کو بھی محسوس کرتے ہیں ۔ انکی شاعری کی جھولی میں شیکسپئر، وارڈس ورتھ، ٹینی سن، کولرج، گوئٹے، نتشے، برگساں، مارکس، رومی، رازی، غزالی اور دیگر علمی شخصیات کے گہرے نقوش ملتے ہیں ۔ وہ ان شخصیات سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور فیض کی ان شعاعوں سے اپنے کلام کو بار بار روشن کر دیتے ہیں ۔

اوپر چھپا کہ میں نے ذکر کیا کہ اقبال مختلف موضوعات کو اپنے فکر کا مرکز و محور بنا چکے ہیں ۔ منظر نگاری ان کا ایک اہم پہلو ہے ۔ میں اولاً انکی

ایک کتاب " بانگ درا " کی منظری نظموں کا جائیزہ اور محاسبہ کرنے کی کوشش کروں گی لیکن منظری نظموں پر تنقیدی اور احتسابی نگاہ ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بانگ درا کس دور ، کن حالات اور کس قسم کے تصورات کی روشنی میں تحریر کی گئی ۔ اس پر چند صفحات درکار ہیں تاکہ موضوع کی اہمیت واضح ہوجائے ۔ " بانگ درا " کے الفاظ اقبال نے دراصل اپنی مشہور نظم ترانہ ملّی میں یوں استعمال کئے ہیں :

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا [1]

اقبال اپنی طالب علمی کے زمانے میں ہی شعر و سخن کے جوہر دکھا چکے تھے حمایت الاسلام لاہور کے جلسوں اور دیگر خاص محفلوں کے ذریعے آپ عوام و خواص میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے تھے ۔ ابتدائی مشق کے دنوں کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام اس صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے ۔ ان کی نظمیں اولاً " مخزن " میں چھپتی رہیں ۔ چنانچہ اس سلسلے میں مدیر " مخزن " شیخ عبدالقادر بانگ درا کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

"وہ عموماً مخزن کے ہر نمبر کے لئے کوئی نہ کوئی نظم لکھتے تھے اور جوں جوں لوگوں کو ان کی شاعری کا حال معلوم ہوتا گیا ، جا بجا مختلف رسالوں اور اخباروں سے فرمائشیں آنے لگیں

---

1. ترانہ ملّی ـــ شرح بانگ درا ـــ ص 414 ـــ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس ـــ 561 گلی کوتانہ سوئیوالان دلی ـ 115006

اور انجمنیں اور مجالس درخواستیں کرنے لگیں کہ ان کے
سالانہ جلسوں میں لوگوں کو وہ اپنے کلام سے محظوظ کریں۔"[1]

اقبال کے نام اور کلام کی شہرت کے نقارے ہر طرف بجنے لگے۔ عوام کے دلپزیر اشعار کر اپنے دلوں اور دماغوں میں جگہ دینے لگے۔ چنانچہ 1905ء میں قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے یورپ چلے گئے۔ یورپ میں تین سال تک اقبال کا قیام رہا اور اس دوران انھوں نے وہاں کی تہذیب، تمدن، ثقافت اور معاشرت کا گہری نظر سے مشاہدہ کیا۔ کیمرج یونیورسٹی سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی۔ اسی دوران جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں "فلسفہ مابعدالطبعیات ایران" پر انگریزی میں اپنا مقالہ پیش کر کے انہیں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری بھی حاصل ہوگئی۔ قیام یورپ کا ذکر اقبال نے مختلف مقامات پر کیا ہے اور اس قیام کو اپنی زندگی کا ایک انقلابی دور قرار دیا۔ لاہور اور دیگر شہروں میں ان کے ماننے والے یہ خیال کرتے تھے کہ یورپ سے واپس آکر اقبال کے کلام میں وہ تصورات خیالات اور ملّی احساسات نہیں ہونگے جن کا اظہار انھوں نے 1905ء تک کیا تھا مگر ان کے ناقدوں نے بعد میں دیکھ لیا کہ مغربی فکر و دانش اور تہذیب و ثقافت انھیں مرعوب نہیں کر سکی۔ اس سلسلے میں یہاں ان کے تین شعر نقل کئے جاتے ہیں:

---

1. اقبال ـ بانگ درا ـ ص 13 ـ دیباچہ از شیخ عبدالقادر سابق مدیر "مخزن"

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات[1]

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ نجف[2]

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی[3]

یورپ سے واپس آنے کے بعد اقبال نے شاعری کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن چند دوستوں کے اصرار پر آپ نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور پھر وادیٔ سخن کی آبلہ پائی شروع کی مگر اب یہ سخنوری اور شاعری اپنے اندر انقلاب کا پیغام بیداری کی لہر اور جنون کی کیفیت رکھتی تھی ۔اقبال نے شاعری کو گل و بلبل کی داستان سرائی سے آزاد کرنے اور اسے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کی طرف توجہ مبذول کی ۔ جدید انسان کا جو تصور اقبال نے اپنے کلام میں پیش کیا وہ ایسا جاندار تصور ہے کہ زمانہ جس قدر آگے بڑھتا جائے گا ، اس تصور کے اثرات اسی قدر پھیلتے اور نکھرتے جائیں گے ۔

---

1. علامہ اقبال ۔ بال جبریل ۔ ص 117 ۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دلی
2. ایضاً ص 40
3. ایضاً ۔ بانگ درا ۔ ص 267 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اسرار خودی اور رموز بے خودی 1914ء اور 1915ء میں بالترتیب شائع ہوئی اور جرمنی کے شاعر گوئٹے کے جواب میں لکھی گئی کتاب پیام مشرق 1923ء میں شائع ہوئی۔ یہ تینوں کتابیں چونکہ فارسی میں تھیں اور عام لوگ انہیں سمجھنے سے عاجز تھے۔ 1924ء میں بانگ درا پہلی بار شائع ہوئی اور یہ کتاب ملک کے طول و عرض میں کتاب خانوں، علمی گھرانوں، سکولوں اور دانشگاہوں کی زینت بن گئی۔ اقبال کی شہرت، مقبولیت اور ادبی حلقوں میں انکی عزت بانگ درا کے سبب قائم ہوگئی اور ملک کے اطراف و اکناف میں اس کتاب میں درج نظمیں زبان زد خاص و عام ہوگئیں۔ بانگ درا کی ہر دلعزیزی کے اسباب بیان کرتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اسکے مقدمہ میں لکھا ہے :

"(1) یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور دوسری کتابوں کے مقابلے میں آسان ہے۔ (اگرچہ بجائے خود کافی مشکل ہے۔
(2) اس میں وہ غزلیں اور نظمیں شامل ہیں جو برسوں پہلے ملک میں مشہور ہوچکی تھیں اور بعض غزلیں تو لاہور سے حیدرآباد (دکن) تک لوگوں کی زبان پر چڑھ چکی تھیں مثلاً"

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

(3) اس میں وہ غزلیں اور نظمیں بھی ہیں جن سے وطن دوستی کا رنگ ٹپکتا ہے مثلاً "سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا - اس لئے مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی انکو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں -

(4) اس میں وہ نظمیں بھی شامل ہیں جو علامہ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں پڑھی تھیں اور انکو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوچکی تھی -

(5) اس میں وہ غزلیں بھی شامل ہیں جو داغ اور میر کے رنگ میں لکھی گئی ہیں اور اس صدی کے آغاز میں یہ رنگ قبول عام کی سند حاصل کر چکا تھا -

(4) اس میں وہ نظمیں بھی شامل ہیں جن میں مرحوم نے غیر مذاہب کے بزرگوں مثلاً گرو نانک ، شری رام چندر اور سوامی رام تیرتھ کی مدح کی ہے -" [1]

بانگ درا کی نظموں میں ہمیں اقبال کے ایسے خیالات بھی ملتے ہیں جن کا فلسفے کے ساتھ تعلق ہے ، یعنی ان میں انہوں نے ایسے معاملات اور مسائل پیش کئے ہیں جو زندگی کے مقاصد اور مسائل ، شعور ذات ، شعور خودی اور

---

1 پروفیسر یوسف سلیم چشتی — شرح بانگ درا (مقدمہ) ص 14 - 15 اعتقاد پبلیشنگ ہاوس — کلی کوتانہ نشی دلی

عشق و حسن سے تعلق رکھتی ہیں - یہ فلسفیانہ رنگ بالخصوص "گل رنگین" "خفتگان خاک" "ماہ نو" اور بزم قدرت میں نظر آتا ہے - بانگ درا کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اقبال کی شاعری میں یقین اور پیغام کا رنگ دکھائی دیتا ہے - چنانچہ 1907ء میں علی گڑھ کے طلبہ کے نام جو نظم انہوں نے لکھی وہ دراصل ان کا پہلا پیغام ہے اور بعد میں اس پیغام کی روشنی عام کرنے پر اقبال متوجہ رہے -

اوروں کا ہے پیام اور ، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے
طائر زیر دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
یہ بھی سنو کہ نالۂ طائر بام اور ہے
آتی تھی کوہ سے صدا راز حیات ہے سکوں
کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے
جذب حرم سے ہے فروغ انجمن حجاز کا
اس کا مقام اور ہے اسکا نظام اور ہے
شمع سحر یہ کہہ گئی ، سوز ہے زندگی کا ساز
غم کدۂ نمود میں شرط دوام اور ہے [1]

---

[1] اقبال — بانگ درا — ص 114 - 115
ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

بانگ درا کے تیسرے حصہ میں وہ نظمیں شامل ہیں جو اقبال نے 1909ء سے 1923ء تک یورپ سے واپس پر لکھیں - اس دوران اقبال نے فارسی میں اپنی دو معرکتہ الآرا مثنویاں لکھیں - چودہ سال کے اچھے خاصے عرصہ میں علامہ کے افکار و تصورات میں زبردست تغیرات آتے رہے - زبان و بیان کا انداز بھی کسی حد تک بدل گیا اور مکزی یا گاؤں پر نظمیں لکھنے کے بجائے اقبال خودی، خودداری، خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے موضوعات پر قلم اٹھاتے رہے - بانگ درا میں ہلکی پھلکی باتیں بیان کرنے کے بجائے اقبال نے خودی کا رازدان اور خدا کا ترجمان بننے کا پیغام سنایا۔ بانگ درا میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور بے یقینی پر اقبال خون کے آنسو روتے رہے :

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے، آبادیاں بن ہوگئیں
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہوگئیں
دیدۂ خونبار ہو منت کش گلزار کیوں ؟
اشک پیہم سے نگاہیں گل بداماں ہوگئیں [1]

---

1 اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص 187 - 188
ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

بال جبریل کا بیشتر حصہ جہاں غزلوں پر مشتمل ہے وہاں "بانگ درا" میں صرف نظمیں شامل ہیں سوائے آخر میں آٹھ غزلیں لکھی گئی ہے - نظموں کی تعداد 146 ہے جن میں فطری مناظر، اخلاق، مذہب، فلسفہ اور شخصیات سے متعلق شاندار نظمیں بھی ہیں اور وہ نظمیں بھی جو اقبال کے انقلابی پیغام کی نشاندہی کرتی ہیں - فطری نظموں میں "ہمالہ" "گل رنگین" "ابر کہسار" اور "بزم انجم" کو خاص اہمیت حاصل ہے اور اسی طرح وطنی نظموں میں ہندوستانی بچوں کا گیت "ترانہ ملّی" اور "خطاب بہ جوانان اسلام" قابل ذکر ہیں - بانگ درا کی فلسفیانہ نظموں میں "سرگزشت آدم" "نوائے وقت" انسان، ارتقا اور موج دریا بہت ہی عمدہ نظمیں ہیں اور اسی طرح تاریخی نظموں میں بلال، غلام قادر ریہلہ اور فاطمہ بنت عبداللہ اور بلاد اسلامیہ توجہ طلب ہیں -

بانگ درا کے مطالعہ کے دوران ہم اقبال کی ترکیب بندی، اصطلاح سازی اور قادر الکلامی کے جابجا نمونے دیکھتے ہیں مثلاً اقبال نے اس قسم کی ترکیبیں استعمال کی ہیں جن کا رشتہ بنیادی طور پر فارسی سے جڑ جاتا ہے توسنِ ادراک، قتیلِ ذوقِ استفہام، قرب فراق آمیز، دختر خوش خرام، ابر جوئے سرود آفریں، سیارہ ثابت نما، مایہ دار اشک عنابی وغیرہ-

بانگ درا کی سلاست ، روانی ، مصوری ، منظر نگاری اور اعلیٰ فنکاری
پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں ۔

" بانگ درا کی اکثر غزلوں اور نظموں میں غضب کی روانی پائی
جاتی ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اقبال شعر اس وقت کہتے تھے
جب انکی طبیعت شعر گوئی پر مائل ہوتی تھی ۔ تصویر درد "
ترانۂ ملّی ، شکوہ ، جواب شکوہ ، شمع اور شاعر اور خضر راہ
میں سلاست اور روانی کے بہترین نمونے مل سکتے ہیں ۔
بانگ درا میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں کہ جن میں اقبال
نے مناظر قدرت کی تصویر کھینچی ہے چونکہ انکی قوت متخیلہ
بہت بڑھی ہوئی تھی ۔ اسلئے انھوں نے اس فن کے بہترین
نمونے اپنی شاعری میں پیش کردئے ہیں ۔ ہمالہ ، ابر کہسار ،
انسان اور بزم قدرت ، ابر اور ایک شام ، ان نظموں میں اقبال
نے مصوری اور منظر کشی کا کمال دکھایا ہے ۔ "[1]

" بانگ درا " کو اقبال کے اردو کلام میں جو بات ممتاز اور منفرد بناتی ہے وہ
انکی شہرۂ آفاق دو نظمیں " شکوہ " اور " جواب شکوہ " ہیں جن کے بیشتر
اشعار لاکھوں لوگوں کے حافظے میں محفوظ ہیں ۔ بانگ درا کی ان دو نظموں

---

1 پروفیسر یوسف سلیم چشتی ـــ بانگ درا مع شرح ـــ ص 43
اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس تلی ترنانہ سوئیوالان دہلی

کے موضوعات اور گہرے تصورات نے عوامی حلقوں میں اقبال کو ایسی حیثیت فراہم کی کہ لوگ اقبال کو شاعر نہیں بلکہ ایک رہبر و رہنما کے طور جاننے لگے۔ شکوہ میں اقبال خدا کے دربار میں مسلمانوں کی عظمت، ان کے شاندار ماضی اور انکے سر فروشی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہیں:

تھے ہم ہی ایک ترے معرکہ آراؤں میں!
خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی [1]

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے!
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے! [2]

---

[1] علامہ اقبال ــ بانگ درا ــ ص 164 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس
[2] ایضاً ص 165

اوپر کے ان اشعار میں شاعر مسلمانوں کے جذبۂ جہاد ، سر فروشی قربانی اور زمین پر اللہ کی حکمرانی کےلئے جد و جہد کا تذکرہ کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد شاعر سوال کرتا ہے جو لوگ اس قدر اللہ والے تھے اور راہ حق میں قربانیاں دینے کو اپنا شعار بنا چکے تھے وہی لوگ دنیا میں کیوں محکوم ، مظلوم اور معتوب ٹھہرتے ہیں جن لوگوں نے صفحۂ ہستی سے باطل قوتوں کو زیر و زبر کر دیا اور دنیا کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کی ، کیا وہ لوگ عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں ۔ اقبال ملّت اسلامیہ کی زبوں حالی اور پامالی کا شکوہ ان درد بھرے الفاظ میں کرتے ہیں :

بت صنم خانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی ان کو کہ کعبے کے نگہباں گئے
منزل دہر سے اونٹوں کے حدی خواں گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں [1]
یہ شکایت نہیں ہیں ان کے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنے کا شعور

---

[1] علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــــ ص 166 ــــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور

اور بے چارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور

اب وہ الطاف نہیں ، ہم پہ عنایات نہیں

بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں [1]

غرض بانگ درا کی اس نظم میں شاعر نے ایک منفرد لہجہ اختیار کر کے امت اسلامیہ کی داستان کے مختلف اوراق الٹ دئیے ہیں اور ایک جانب خدا سے شکوے اور دوسری طرف مسلمانوں کی توجہ ان کے عظیم ماضی کی طرف پھیر دی ہے۔ دوسری معرکتہ الآرا نظم جو بانگ درا کی شہرت و قبولیت میں کافی اضافہ کر چکی ہے۔ وہ "جواب شکوہ" ہے۔ اس نظم میں ان کے شکوؤں اور شکایتوں کو دربار الٰہی سے جواب ملتا ہے کہ یقیناً مسلمانوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دئیے ہیں لیکن آج جو مسلمان دنیا کو نظام اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہے کیا اس میں اسلاف کی وہ قدریں موجود ہیں ، کیا وہ ایک دوسرے کے لئے رحیم و کریم ہیں ، کیا ان کے اندر وہ دل اور دماغ ہے جس میں وہ کبھی بڑے خیالات رکھتے اور جن کی بدولت بڑے بڑے سرپھرے ان کے دائرے میں آجاتے اور ایمان کی دولت سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔

---

[1] علامہ اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص 167 ـــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں مفقود

ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغاں بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلماں بھی ہو ؟[1]

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے

تم مسلماں ہو، یہ انداز مسلمانی ہے

حیدری فقر ہے، نے دولت عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر

اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر[2]

گزشتہ صفحات میں بانگ درا کی چند خصوصیات اور اس کے موضوعات کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا ۔ اگلی سطور میں اب بانگ درا کی منظری نظموں کا ایک تنقیدی محاسبہ کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔

1۔ علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 203 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڑھ

2۔ ایضاً ص 203 ۔ 204

بانگ درا کی پہلی نظم " ہمالہ " ہے ۔ ظاہر ہے کہ جس شاعر کی شاعری کا آغاز کوہ ہمالہ کی بلندیوں سے ہوتا ہو اسکی انتہا کیا ہوگی ۔ ہمالہ پہاڑ دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ہے ۔ اپنی یخ بستہ چوٹیوں ، برف پوش ڈھلوانوں اور سرد و گرم پانی کے چشموں کےلئے یہ پہاڑ دنیا بھر میں مشہور ہے اس پہاڑ کے ساتھ جو مناظر وابستہ ہیں اقبال نے ان کا نقشہ یوں پیش کیا ہے :

آتی ہے ندی فراز کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا شاہد قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سنگ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی
چھیڑتی جا اس عراق دلنشین کے ساز کو
اے مسافر دل سمجھتا ہے تری آواز کو[1]

لیلیٰ شب کھولتی ہے آکے جب زلف رسا
دامن دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا
وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

---

1 علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 23 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڑھ

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر[1]

اوپر درج کئے گئے دو بندوں میں شاعر نے ہمالہ کی ایک ایسی ندی کا ذکر کیا ہے جو پہاڑ کے دامن سے کاٹ، پتھروں کے سینوں سے ٹکراتی، جھومتی رقص کرتی اور بل کھاتی ہوئی کوثر اور تسنیم کے چشموں کی موجوں کو شرماتی ہوئی آگے بڑھتی ہے ۔آبشاروں کی صدا، شام کی خاموشی اور درختوں پر تفکر کی کیفیت کا ایسا منظر نامہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ جیسے یہ ساری چیزیں ہمارے سامنے موجود ہیں ۔اور ہمیں دعوت نظارہ دیتی ہیں ۔کوہ ہمالہ کی پیرانہ سالی اس کے دامن میں گھنگھور گھٹاؤں کی ہیبت ناکی، اسکی بلند ترین چوٹیوں کی آسمان سے ہم کلامی کو شاعر کیسے ہی لطیف پیرائے میں بیان کرتا ہے :

تیری عمر رفتہ کی اک آن ہے عہد کہن
وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن
چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرم سخن
تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن
چشمۂ دامن ترا آئینہ سیال ہے
دامن موج ہوا جس کے لئے رومال ہے[2]

---

1. علامہ اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص 23 ـــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
2. ایضاً ص 22

یہ نظم سب سے پہلے رسالہ مخزن میں 1901ء میں شائع ہوئی۔ اس نظم کی نمایاں خصوصیات میں اسکی فارسی آمیزی، اعلیٰ ترکیب سازی، موزوں الفاظ، سلاستِ بیان اور عمدہ منظر کشی ہیں۔ اس نظم میں معنوی اور صوری خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

بانگ درا کی فطرت کے اشارات سے بھرپور نظم " ابر کہسار " ہے۔ اس نظم میں شاعر نے کوہسار کے بادلوں کا نقشہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کوہسار کے بادل اپنے بارے میں کس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب سخت گرمی پڑتی ہے تو آسمان پر جو بادل چھا جاتے ہیں وہ نگاہوں کو خشکی اور نمی فراہم کرتے ہیں۔ بادل آسمان سے باتیں کرتے، پرندوں کو ترنم سکھاتے اور پھولوں کی کلیوں کو ذوق تبسم دے کر ایک دلکش ماحول قائم کرتے ہیں۔ ابر کوہسار کے پہلے بند میں شاعر ابر کے ٹھکانوں کے نام الگ الگ لیتا ہے۔ نشیمن، دامن، مسکن اور بن جیسے الفاظ استعمال میں لاکر شاعر بلندی کے تصورات کو ہمارے ذہنوں میں ابھارتا ہے:

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
ابر کوہسار ہوں، گل پاش ہے دامن میرا
کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا
شہر و ویرانہ مرا، بحر میرا بن میرا

کس وادی میں جو منظور ہو سونا مجھکو
سبزہ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھکو[1]

چشمہ کوہ کو دی شورش قلزم میں نے
اور پرندوں کو کیا محو ترنم میں نے
سر پہ سبزہ کے کھڑے ہوکے کیا تم میں نے
غنچۂ گل کو دیا ذوق تبسم میں نے
فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامن کہسار میں دہقانوں کے[2]

منظر نگاری کرتے ہوئے اقبال درمیان کلام میں کوئی نصیحت بھی کرتے ہیں اور مناظر قدرت اور انسانی ہمدردی کو آپس میں جوڑ دیتے ہیں ۔ انکی ایک نظم جو بنیادی طور پر بچوں کیلئے لکھی گئی ہے اور جس کا عنوان " ہمدردی " ہے ، میں شاعر ایک بلبل کی داستان مختصراً بیان کرتا ہے ۔ بلبل ایک ٹہنی پر اداس بیٹھی ہے ۔ سوچتی ہے کہ پورا دن دانے چگنے میں گزارا ، اور اب جب کہ اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا ہے ، میں کیسے اپنے گھونسلے میں پہنچ جاؤں گی ۔ چنانچہ ایک جگنو جو پاس ہی بیٹھا تھا ، اس کی باتیں سن کر مدد کرنے کی پیشکش کرنے لگا اور بلبل کو یقین دہانی کرائی کہ قدرت

---

1. علامہ اقبال ــ بانگ درا ــ ص 27 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
2. ایضاً ص 28

نے چونکہ اسے تابناک بنایا ہے ۔ لہٰذا وہ اندھیری رات میں اس کے لئے روشنی اور رہنمائی کا ذریعہ بنے گا ۔ اقبال اس نظم میں کسی میدان کے درخت کی تنہائی ، اس درخت پر بیٹھی بلبل کی مایوسی اور عاجزی اور پھر شام کے اندھیرے کے مناظر ایسے پیش کرتا ہے ، جیسے ہم بچشم خود یہ سب کچھ ملاحظہ کر رہے ہیں ۔ اندھیرا ، روشنی ، بلبل ، جگنو ، شجر تنہائی کے تصورات ایک قاری کو کسی خاموش ماحول میں لے جاتے ہیں ۔ نظم چونکہ مختصر سی ہے ۔ اس لئے اسے پورے طور نقل کیا جاتا ہے :

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پر آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سنکر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری

میں راہ میں روشنی کرونگا

اللہ نے دی ہے مجھکو مشعل

چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

آتے ہیں جو کام دوسروں کے[1]

اقبال کی منظر نگاری میں رنگ و آہنگ کا ایسا امتزاج ملتا ہے جس کی دوسرے شعراء کے ہاں بڑی کمی ہے ۔ اقبال کے آہنگ میں فطرت کا صاف و شفاف سرور و مسرور ملتا ہے اور اس سرود میں وہ نغمگی اور پاکیزگی موجود ہے جو فطرت کے پورے وجود میں شامل ہے ۔ آہنگ اقبال میں فطرت کی اشیاء کے ساتھ ایک گہرا تعلق ، یادوں کا ایک طویل سلسلہ اور تمناؤں کا ایک قافلہ رواں دواں دکھائی دیتا ہے ۔ مثال کے طور پر جب ہم انکی نظم "پرندے کی فریاد" کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے بچپن کے وہ سارے واقعات تصویروں کی طرح سامنے آجاتے ہیں جن واقعات کے ساتھ ہمارا ایک جذباتی اور نفسیاتی رشتہ ہوتا ہے ۔ جذبات نگاری کے ساتھ باغ کی بہاریں ، پرندوں کا چہچہانا شبنم کے قطروں کو آنسوؤں سے تشبیہہ دیکر کلیوں کا ان پر مسکرانا اور اس طرح دیگر ترکیبیں اور تشبیہیں استعمال کرکے شاعر نے ایک عجیب و غریب فضا کو جنم دیا ہے ۔

1۔ علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 35 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

آتا ہے یاد مجھکو گزرا ہوا زمانہ

وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا

آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی

اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم

شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا

وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت

آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانا

آتی نہیں صدائیں اسکی مرے قفس میں

ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں[1]

بانگ درا کی ایک اہم مگر چھوٹی نظم ، شمع و پروانہ ہے ۔ اس میں شاعر نے نور کی ان کیفیتوں کا ذکر کیا ہے جو شمع کے وجود سے متعلق ہے ۔ شاعر اس تعلق کا بڑے دلچسپ انداز میں تذکرہ کرتا ہے جو پروانے کو شمع کے ساتھ قائم ہے ۔ ویسے اس موضوع پر اردو اور فارسی کے کئی شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کیا ہے لیکن اقبال نے جو رویہ اس چھوٹی سی نظم میں ظاہر کیا ہے وہ ایک منفرد انداز ہے اور اس میں منظر نگاری کا ایک درس بھی

---

1) علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــ ص 37 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اسلوب اختیار کیا گیا ہے - شاعر شمع سے سوال کرتا ہے کہ یہ پروانہ اس جلوہ گاہ کے گرد گردش کرتا ہے اور اس کو شمع کی بق نگاہی نے پھونک ڈالا ہے - شاعر شمع اور پروانے کو طور اور کلیم کے لفظوں سے تشبیہ دیتا ہے - نظم کے یہ چند شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا
پھونکا ہوا ہے کیا تری برق نگاہ کا
آزار موت میں اسے آرام جاں ہے کیا ؟
شعلے میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا
کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے
پروانہ اور ذوق تماشائے روشنی
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی [1]

بانگ درا کی نظموں میں ایک آرزو بڑی دلکش نظم ہے - اس نظم کی معنوی اور صوری خوبیاں ہیں اور منظر نگاری کے خوبصورت پہلو بھی اس میں موجود ہیں - شاعر نظم کے آغاز میں ایک بڑی حقیقت بیان کرتا ہے کہ دل کے سکون و اطمینان پر انسان کے پورے نظام کا دارومدار ہے - زندگی کی تمام خوبیاں

---

[1] علامہ اقبال ——— بانگ درا ——— ص 40 - 41 - ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اور مزے اس وقت تک بے کار او رہے ذوق ثابت ہوتے ہیں جب انسان کا دل پراگندہ اورافسردہ ہو۔ دل کے جینے، مطمئن رہنے اور اس کے پرسکون ہونے سے زندگی عبارت ہے۔ اقبال اپنے دل کو سکون، خاموشی اورپاکیزگی بخشنے کےلئے شہروں کی گہما گہمی سے دور کسی پہاڑ کے دامن میں ایک جھونپڑے کے اندر رہنا چاہتا ہے۔ تمام تفکرات سے آزاد ہوکراورغم دنیا سے نجات پاکر شاعر قدرت کے حسین اشیاء اورتخلیقات کا نظارہ کرنا چاہتا ہے وہ پرندوں کی چہچہاہٹ انکی مختلف آوازوں، پھولوں کی بوباس اورانکے مختلف رنگوں چشموں کی روانی اور انکی موجوں، غرض فطرت کے تمام مناظر سے لطف اندوز ہونے کی آرزو کرتا ہے۔ نظم اقبال کے ان پاکیزہ اورشستہ خیالات کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کرتی ہے جن خیالات کا اظہار بعد میں اقبال نے اپنی دیگر نظموں میں دوسرے پیرائے بیان اورطرز اسلوب کے ذریعے کیا ہے۔ یہ نظم اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب شاعرکا شعری مذاق اورمزاج پنپ رہا تھا اور وہ انگریزی کے رومانوی شعراء کا کلام پڑھ چکے تھے۔ ذیل میں ایک آرزو کے وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو فطرت سے براہ راست متعلق ہیں :

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
لذت سرور کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہاں نما ہو
ہو ہاتھ کا سرہانا ، سبزہ کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو
مانوس اس قدر رہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو [1]

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دل فریب ایسا کوہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

1/ علامہ اقبال — بانگ درا — ص 47 — ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہم نوا ہوں، وہ میری ہمنوا ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے[1]

پوری نظم کی لفظیات پر چند لمحے غور کرنے سے ہم بخوبی شاعر کی تیز حسی لفظوں کی چستی اور درستی کا ایک شاندار نظام دیکھتے ہیں۔ منظر نگاری کے تعلق سے اقبال نے بڑے قرینے سے ان الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ دامن کوہ، جھونپڑا، سرود، چڑیا، چہچہا، چشمہ، شورش، گل کی کلی سرہانا، سبزہ، بچھونا، بادل، ندی، پانی، بوٹے، ہرے ہرے، موج کہسار، مہندی، سورج، شام، دلہن، سرخی، سنہری، قبا، کوئل، صبح پھول اور شبنم وغیرہ۔

---

1 علامہ اقبال — بانگ درا — ص 47 - 48 — ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

نظم کی جہاں فنی اور فطری اعتبار سے زبردست اہمیت ہے ۔ وہاں اس کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ گوشہ گیری اور تنہائی کی آرزو کے باوجود اقبال دوسروں کی خاطر زندہ رہنے کی خواہش کرتے ہیں ایک سچے انسان اور صالح مسلمان کی پہچان بھی یہی ہے کہ اس کے جسم میں ایک ایسا دل دھڑکتا ہو ، جو دوسروں کیلئے درد مند اور دوسروں کی خاطر بیقرار رہتا ہو ۔ نظم کے آخری شعر میں اقبال نے مسلمانوں کی اس عظیم تاریخ کے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ہمدردی ، غم گساری خیرخواہی اور جان سپاری کے شاندار نمونے ملتے ہیں ۔

منظر نگاری کے دوران شاعروں نے سورج کا ذکر مختلف پیرایوں میں کیا ہے ۔ آفتاب کو روشنی اور گرمی کا منبع قرار دیا گیا اور اس سے حاصل ہونے والی توانائی کو طاقت کا ایک بہت بڑا ذریعہ خیال کیا ہے ۔ مگر اقبال آفتاب کو ایک دوسرے ہی انداز میں پیش کرتے ہیں ۔ ان کے خیال میں سورج کا وجود آسمان کیلئے باعث زیب و زینت ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو تاریکی دور ہوجاتی ہے ۔ ساری دنیا اسکی روشنی اور گرمی سے فیض یاب ہوتی ہے لیکن میں اس روشنی کا خواہاں ہوں جس سے دل کی آنکھیں منور ہوجائیں ۔ سورج انسانوں کی طرح مادی ضرورتوں

اور تقاضوں میں گرفتار نہیں ہے اور وہ اس قدر بلندی پر چمک رہا ہے کہ دنیا کی بلندیاں اور پستیاں دونوں اس کے لئے برابر ہیں - اقبال بھی وسعت بلندی اور رنگینی اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے اپنی نظم آفتاب صبح میں شاعر منظر نگاری کرتے ہوئے آفتاب سے مخاطب ہے کہ اے آفتاب اگر تو دنیا والوں کی مصیبت میں شریک نہیں ہے تو پھر تجھے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر تجھکو اپنے کمالات کا شعور حاصل نہیں تو پھر تو انسان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا - تجھ میں اور مجھ میں فرق و اختلاف یہ ہے کہ تو ذوق جستجو سے محروم ہے اور جبکہ میں حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں اس کے لئے میں ہر وقت کوشاں ہوں ، چاہے مجھے کامیابی ملے یا نہ ملے -

آفتاب صبح کے چند بند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن سے اقبال کی ابتدائی دور کی منظر نگاری اور اشیائے قدرت سے متعلق ان کے رویے کی نشاندہی ہوتی ہے :

حسن تیرا جب ہوا بام فلک سے جلوہ گر

آنکھ سے اڑتا ہے یکدم خواب کی مے کا اثر

نور سے معمور ہو جاتا ہے دامان نظر

کھولتی ہے چشم ظاہر کو ضیا تیری مگر

ڈھونڈتی ہے جس کو آنکھیں وہ تماشا چاہئیے

چشم باطن جس سے کھل جائے وہ جلوہ چاہئیے

بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں
نوع انساں قوم ہو میری ، وطن میرا جہاں
دیدۂ باطن پہ راز نظم قدرت ہو عیاں
ہوشناسائے فلک شمع تخیل کا دھواں
عقدۂ اضداد کی کاوش نہ تڑپائے مجھے
حسن عشق انگیز ہرشئے میں نظرآئے مجھے
صدمہ آجائے ہوا سے گل کی پتی کو اگر
اشک بن کر میری آنکھوں سے ٹپک جائے اثر
دل میں ہو سوز محبت کا وہ چھوٹا سا شرر
نور سے جس کے ملے راز حقیقت کی خبر
شاہد قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو
سرمیں جز ہمدردی انسان کوئی سودا نہ ہو

تو اگر زحمت کش ہنگامۂ عالم نہیں
یہ فضیلت کا نشاں اے نیراعظم نہیں
اپنے حسن عالم آرا سے جو تو محرم نہیں
ہمسر یک ذرۂ خاک درآدم نہیں

نور سے مود ملک گرم تماشا ہی رہا

اور تو منت پزیر صبح فردا ہی رہا[1]

آفتاب صبح کے متعلق سلام سندیلوی لکھتے ہیں کہ

اس نظم میں اقبال نے آفتاب کو ذی روح

تصور کرلیا ہے اور اس سے اس طرح سے بات

کر رہے ہیں جس طرح ایک انسان دوسرے

انسان سے بات کرتا ہے :

شوق آزادی کے دنیا میں نہ نکلے حوصلے

زندگی بھر قید و زنجیر تعلق میں رہے

زیر و بالا ایک ہیں تیری نگاہوں کے لئے

آرزو ہے کچھ اسی چشم تماشا کی مجھے

آنکھ میری اور کے غم میں جو اشک آباد ہو

امتیاز ملت آئیں سے دل آزار ہو

اس بند کے ذریعہ اقبال نے بین الاقوامیت کی تعلیم دی ہے اور

بتایا ہے کہ سورج کی نظر میں زیر و بالا ایک ہیں ۔ وہ ہر جگہ یکساں

چمکتا ہے اور ہر ملک میں اپنی روشنی پھیلاتا ہے ۔اسی طرح سے

---

1) علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــــ ص 48 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

> اقبال کی خواہش ہے کہ وہ بھی امتیاز ملت و آئین کے پردے
> چاک کرڈالیں اور ساری دنیا کی بہبودی کےلئے کوشش کریں
> دراصل اقبال کے یہاں فطرت پرستی ایک ضمنی حیثیت رکھتی
> ہے ۔ ان کا اصل مقصد اشیائے فطرت کا جائزہ لینا نہیں ہوتا
> ہے بلکہ اشیائے فطرت کے مطالعہ کے بعد ان کے ذہن میں کچھ
> فلسفیانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ انہی خیالات کی عکاسی کرنے
> کےلئے اقبال کسی منظرفطرت کا ذکر کرتے ہیں ۔ اقبال کے یہاں
> فطرت کی کوئی حسین شے کسی فلسفیانہ تجزیے کا وسیلہ بن
> جاتی ہے اور وہ ان روابط پر روشنی ڈالتے ہیں جو فطرت
> کی شے اور انسان کے درمیان قائم ہوسکتے ہیں ۔ [1]

علامہ اقبال نے جہاں سورج کو نت نئے طریقوں میں پیش کیا ہے وہاں چاند
ہلال یا ماہ نو کو بھی نئے انداز میں ڈالا ہے ۔ وہ ماہ نو سے ایک موقع پر کہتے
ہیں کہ تیرے ساتھ ہمارا پرانا تعلق ہے چونکہ مسلمانوں کا سال قمری حساب
سے تشکیل پاتا ہے اس لئے اقبال ماہ نو کو مسلمانوں کی شاندار تاریخ کے ساتھ
جوڑ دیتے ہیں ۔ ایک جگہ ماہ نو کو مخاطب بناکر فرماتے ہیں کہ تو اپنی بلندی سے
ہماری پستی دیکھ اور مسلمانوں کی فرقہ بندی کا مشاہدہ کر ۔ تو نے وہ معرکے

---

[1] اردو شاعری میں منظرنگاری ـــ سلام سندیلوی ـــ ص 466 ـ 467

دیکھتے ہیں جب مسلمان ایمان کے بل بوتے پر باطل کی بڑی بڑی قوتوں کو مٹاکر رکھ دیتے تھے مگر جب سے ایمان کی حرارت ان کے دلوں سے چلی گئی اب وہ کہیں بھی کامیاب نہیں ۔ بانگ درا میں اقبال نے ماہ نو کے عنوان سے ایک چھوٹی نظم لکھی ہے جو صرف سات اشعار پر مشتمل ہے لیکن منظرنگاری کا ایک ایسا نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ ہم شاعر کے اعلیٰ تخیل کو داد و تحسین دئیے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں :

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقاب نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آب نیل
طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خون ناب
نشتر قدرت نے کیا کھولی ہے فصد آفتاب
چرخ نے بالی چرائی ہے عروس شام کی
نیل کے پانی میں مچھلی ہے سیم خام کی[1]

نظم کے پہلے بند میں تشبیہات اور استعارات کا کمال خوبی سے استعمال کیا ہے ۔ ماہ نو کو خورشید کی کشتی کا ٹکڑا ، عروس شام کی لالی اور سیم خام کی مچھلی جیسے الفاظ اور استعارے شاعر کی اعلیٰ فنکاری اور منظرنگاری کا نمونہ پیش کرتے ہیں ۔ اس اعلیٰ پایے کی منظرنگاری کے بعد اب شاعر ماہ نو سے مخاطب ہے کہ

---

1) علامہ اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص 53 ـ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

: ایسی خوشی سے اپنا سفر طے کرتا ہے کہ انسان کے کان تیرے چلنے کی آواز بالکل سن نہیں سکتے ۔ اے چاند ! میں اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتا اس لئے کہ میں نور کا متلاشی ہوں ۔ لہٰذا مجھے بھی اپنے ساتھ لے چل ۔ تاکہ میں بھی دنیا کی مرغوبات اورخواہشات سے بالاتر ہوکرایک نورانی اورفطری زندگی بسرکرسکوں ۔

قافلہ تیرا رواں بے منت بانگ درا

گوش انسان سن نہیں سکتا تری آواز پا

گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو

ہے وطن تیرا کدھر ، کس دیس کو جاتا ہے تو

ساتھ اے سیارہ ثابت نما لے چل مجھے

خار حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بیکل مجھے

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں

طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں میں[1]

بانگ درا کی منظری نظموں میں انسان اوربزم قدرت ایک عمدہ نظم ہے ۔ اس لئے کہ ایک طرف اقبال نے اس نظم کے پہلے حصے میں قدرت سے وابستہ اشیاء کا ذکربڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے اوردوسری طرف اس نظم میں اس

---

1) علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــ ص 54 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

فلسفے کے ابتدائی خد و خال سنوارے گئے ہیں ۔ جسے اقبال کا فلسفہ خودی کہتے ہیں ۔ اقبال کے اس فلسفے کی بنیاد یہ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے ۔ اس کے اندر روحانی ترقی ، ذہنی ترقی اور تخلیقی عمل کے بے شمار امکانات موجود ہیں ۔ تخلیقی قوتوں کے استعمال کے بغیر انسان مکمل انسان نہیں ، بلکہ ایک موقع پر تو اقبال اس حد تک بھی گئے ہے کہ جس شخص کے پاس قوت تخلیق نہیں وہ میرے نزدیک کافر و زندیق سے کچھ کم نہیں ۔ نظم بزم قدرت میں انسان کائنات سے اپنی بے نوری کا سبب پوچھتا ہے ، تو اس کے کانوں میں یہ آواز آتی ہے کہ اے انسان تو ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے اس لئے کہ کائنات کا وجود تیرے یعنی انسان کے نور سے جڑا ہوا ہے اور کائنات کی ساری عظمت و شوکت تیری ذات پر موقوف ہے تو اس کائنات کا نگہبان ہے اور تو نے وہ بار امانت اٹھایا جس کے اٹھانے سے کائنات انکار کر چکی تھی ۔ نظم میں اقبال نے ایک طرف فطرت کی خوبصورتیوں اور رنگینیوں کو ابھارا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قدرت کی سب سے اہم اور طاقتور و تخلیق انسان کی اشرف المخلوقاتی کا ذکر کیا ہے ۔ انسان اور بزم قدرت کے چند اشعار ذیل میں قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے ہم مصور فطرت اقبال کے اعلیٰ فنی اور فطری ذوق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں :

صبح خورشید درخشاں کو جو دیکھا میں نے

بزم معمورۂ ہستی سے یہ پوچھا میں نے

پرتو مہر کے دم سے ہے اجالا تیرا
سیم سیال ہے پانی ترے دریاؤں کا
مہر نے نور کا زیور تجھے پہنایا ہے
تیری محفل کو اسی شمع نے چمکایا ہے
گل و گلزار ترے خلد کی تصویریں ہیں
یہ سبھی سورۂ والشمس کی تفسیریں ہیں[1]

سرخ پوشاک ہے پھولوں کی، درختوں کی ہری
تیری محفل میں کوئی سبز، کوئی لال پری
ہے ترے خیمۂ گردوں کی طلائی جھالر
بدلیاں لال سی آتی ہیں افق پر جو نظر
کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو شفق کی لالی
مئے گل رنگ خم شام میں تونے ڈالی
رتبہ تیرا ہے بڑا، شان بڑی ہے تیری
پردۂ نور میں مستور ہے ہر شے تیری[2]

---

1. کلیات اقبال — ص 41 — ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ دہلی
2. علامہ اقبال — بانگ درا — ص 54 — ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۔ یو ۔ پی

علامہ اقبال مغرب کے بڑے بڑے فلسفیوں اور شاعروں کے کلام سے نہ صرف آشنا تھے بلکہ اس کے رمز شناس بھی تھے ۔ انگریزی کے کئی شاعروں کے خیالات کو انھوں نے شعر کی ہی صورت میں اردو میں پیش کیا ۔ اس طرح اردو داں طبقہ انگریزی ادب کے گوہرپاروں سے واقف ہوگیا ۔ بانگ درا کی منظری نظموں میں پیام صبح اس قسم کی ایک نظم ہے جو لانگ فیلو کے خیالات سے ماخوذ ہے ۔ لانگ فیلو امریکہ کا مشہور شاعر اور ادب کا پروفیسر رہا ہے ۔ اپنے ملک میں کافی شہرت اور عزت حاصل کرلی ۔ نرم دلی اور نیک مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شکار کھیلنے گیا اور ایک چڑیا ماری ۔ چڑیا کے تڑپنے سے اس کا دل اس قدر پگھل گیا ۔ کہ دیر تک زار و قطار روتا رہا تھا اور اس کے بعد ساری عمر بندوق کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا ۔

پیام صبح میں اقبال نے صبح سے وابستہ مناظر کو پہلے بیان کیا ہے اور زندگی کی اس چہل پہل کا تذکرہ کیا ہے جو صبح کے نمودار ہونے کے بعد شروع ہوجاتی ہے ۔ پرندے اپنے اپنے آشیانوں اور کسان اپنی کھیتوں اور ندیوں کے کناروں پر پہنچ جاتے ہیں ۔ مندروں اور مسجدوں میں ۔ عبادت گزار حاضر ہوجاتے ہیں ۔ باغوں میں صبح کی ہوا (نسیم) کے ہلکے پھلکے جھونکے چلنے لگتے ہیں تو شگوفے پھوٹتے ہیں ۔

اجالا جب ہوا رخصت جبین شب کی افشاں کا
نسیم زندگی پیغام لائی ۔ صبح خنداں کا

جگایا بلبل رنگیں نوا کو آشیانے میں
کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا
طلسم ظلمت شب سورۂ والنور سے توڑا
اندھیرے میں اڑایا تاج زر شمع شبستاں کا
ہوئی بام حرم پر آکے یوں گویا موذن سے
نہیں کھٹکا ترے دل میں نمود مہر تاباں کا ؟
پکاری اس طرح دیوار گلشن پر کھڑے ہوکر
چٹک او غنچۂ گل ! تو موذن ہے گلستاں کا[1]

اوپر کے ان اشعار میں اقبال نے جبین شب کی افشاں ، نسیم زندگی ، صبح خنداں ، بلبل رنگین نوا ، طلسم ظلمت شب ، سورۂ والنور ، تاج زر شمع شبستان جیسے خوبصورت الفاظ سے ایک عمدہ سماں باندھا ہے ۔

انگریزی شعراء کی لمبی فہرست میں اقبال ٹینی سن (Tennyson) سے کافی متاثر رہے ہیں ۔ رومانوی شعراء میں ٹینی سن کو اپنے بلند افکار و نظریات کی وجہ سے ایک اہم مقام حاصل رہا ہے ۔ چنانچہ ملکۂ برطانیہ نے انہیں ملک الشعراء کے منصب پر فائز کردیا ۔ پروفیسر بی ۔ آر بنرجی نے انکی شاعری کا احاطہ یوں کیا ہے :

---

1) علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 56 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ یو پی

" Tennyson, carries on this tradition in point of style at least, and attains to a perfection seldom achieved by the doubts, the materialism and the scientific movements of his age. His idylls of the king are a travesty of medialvalism. It is in shorter poems like the lady of Shallot that he seems to approach the highest standard of the proceeding generation of Poets."[1]

ٹینی سن کے ہی بلند تخیلات پرمشتمل ایک منظری نظم اقبال نے عشق اورموت کے زیرعنوان تحریرکی ہے ۔عشق کا تصور اقبال کی شاعری میں جابجا ملتا ہے اوران کے نزدیک زندگی کی اصل عشق ہے اوراس پرموت کا غلبہ نہیں ہوسکتا۔ عشق کی بدولت آدمی مولا صفات بن سکتا ہے اوروہ زمان ومکان کی حد بندیوں سے آزاد ہوجاتا ہے ۔ نظم "عشق اورموت" میں پہلے ہم اس کا منظری پہلو دیکھتے ہیں اورپھر فکری پہلو

سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہرکو تاج زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی

---

1. Prof B.R Benerjea Page No 210 Lucknow Book Stall U.P

کہیں شاخ ہستی کو لگتے تھے پتے
کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے پہل آرہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو
خودی تشنہ کام مئے بے خودی تھی
ابھی اوّل اوّل گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
زمین کو تھا دعوٰی کہ میں آسماں ہوں
مکاں کہہ رہا تھا کہ لامکاں ہوں [1]

نظم کے دوسرے حصے میں شاعر عشق کی تعریف کرتا ہے اور یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ جو لوگ عشق کی دولت سے بہرہ مند ہوگئے ہیں انہیں ایک ایسی جاودانی زندگی حاصل ہوجاتی ہے جس زندگی کو کبھی فنا نہیں۔ اقبال نے عشق کی وضاحت کرتے ہوئے اسی قسم کے خیالات کو اعلٰی درجے کی شاعرانہ زبان میں اپنی شاہکار نظم مسجد قرطبہ میں یوں ظاہر کیا ہے۔

---

1 علامہ اقبال ــ بانگ درا ــ ص 57 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۔ دہلی

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں، جن کا نہیں کوئی نام[1]

اقبال جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکی ہوں کہ اپنے ابتدائی دنوں میں جنگلوں کوہساروں اور ندی نالوں کے کناروں پر تنہائی میں بیٹھنے کا شوقین تھا اور یہ انکی فطرت پسندی اور انگریزی کے رومانی شعراء کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ مادی دنیا کے نفع اور نقصان اور اس میں انسان کو روزانہ جس کرب ناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس سے نجات پانے کے لئے شاعر پہاڑ کی تنہائی میں گھر بنانے اور وہاں نرگس، گل و لالہ اور بلبل سے ہمسائیگی پیدا کرنے کو فوقیت دیتا ہے۔ وہ جنگلوں اور تنہائیوں کی زندگی کو شہروں کی گہما گہمی اور طمطراق پر قربان کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان جذبات کا اظہار اقبال اپنی مشہور نظم رخصت اے بزم جہاں میں بڑے ہی دلکش انداز میں کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ اپنے آپ کو فطرت کا پیغام رساں تصور کرتے ہوئے ساری دنیا کو فطرت کے آغوش میں سما جانے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ صحرا کی خاموش فضا میں بڑے شوق کے ساتھ

---

[1] علامہ اقبال ۔۔ کلیات اقبال ۔۔ ص 386 ۔ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دلی

قدرت کی حسن کاری کا مشاہدہ کرتا ہے اور تنہائی کے لمحات کو بادشاہوں کے ساتھ اپنے اوقات صرف کرنے پر ترجیح دیتا ہے

گھر بنایا ہے سکوت دامن کوہسار میں

آہ! یہ لذت کہاں موسیقی گفتار میں

ہم نشین نرگس شہلا، رفیق گل ہوں میں

ہے چمن میرا وطن، ہمسایۂ بلبل ہوں میں

شام کو آواز چشموں کی سلاتی ہے مجھے

صبح فرش سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے

بزم ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند

ہے دل شاعر کو لیکن کنج تنہائی پسند

ہے جنوں مجھکو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں

ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں

شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے

اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے

ہم وطن شمشاد کا، قمری کا میں ہمراز ہوں

اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود

گل کی پتی میں نظر آتا ہے راز ہست و بود [1]

---

1 علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــــ ص 64 ـ 65 ــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڈھ یو پی

مطالعۂ فطرت کی اہمیت کو اقبال نے نظم کے آخری شعر میں واضح تر کردیا ہے ۔ کائنات یا ہست و بود کے رازوں سے اگر کوئی آگاہ ہونا چاہتا ہے تو اسے پھول کی پتی پر نظر دوڑانی چاہئیے جو اس کے لئے فطرت کی کتاب ثابت ہوگی ۔حضرت شیخ سعدی نے اس قسم کا خیال اپنے ایک شعر میں پیش کیا ہے کہ درختوں کے سبز پتے ، ہوشیار لوگوں کی نگاہوں میں خدا کی معرفت کے دفتر کی حیثیت رکھتے ہیں :

برگ درختاں سبز درنظرہوشیار
ہرورقے دفتر یست معرفت کرد گار[1]

وطن دوستی کے جذبے کے تحت اقبال نے کئی نظمیں مختلف موقعوں پر لکھیں چنانچہ 1904ء میں تصویر درد کے نام سے جو نظم علامہ نے تحریر کی وہ وطنی جذبات سے بھر پور اور اہل وطن کے منافقانہ طرز عمل پر نوحہ خوانی کے برابر ہے ۔اپنے وطن کی سیاسی ، سماجی ، معاشی اورمعاشرتی حالات سے شاعر کا حساس دل کڑھتا ہے اور وہ اہل وطن کو یہ احساس دلاتا ہے کہ انکی ترقی اس بات میں ہے کہ وہ راہ عمل کو اختیار کریں کیونکہ عمل اسلوب فطرت اور آئین قدرت کے عین مطابق ہے ۔ تصویر درد اگرچہ وطنی محبت سے سرشار ہے تاہم اس نظم میں شاعر نے پھولوں ، رنگوں ، چمن زاروں ، باغوں ، پرندوں اور فطرت کی دیگر کیفیتوں کا تذکرہ خوبصورت انداز میں کیا ہے اور اس طرح یہ نظم منظری

---

1 شیخ سعدی ـــ گلستان ـــ شب رنگ (کتاب گھر) دلی ص نمبر ۵۰

اعتبار سے اپنی الگ شان پیدا کرتی ہے ۔ اقبال نے نظم میں نرگس، گل ، قمری طوطی ، عندلیب ، چمن ، گلستان ، برگ گل ، گلچیں ، عنادل ، باغ ، آشیانہ طائر اور بوستان کا خاکہ ایسے کھینچا ہے کہ یہ ساری علامتیں ہماری آنکھوں کے سامنے تصویروں کی طرح آجاتی ہیں مثلاً نظم کے آغاز میں اقبال فطرت کے حوالے سے اپنی داستان سرائی یوں کرتا ہے ۔

اٹھائے کچھ ورق لالے نے ، کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑالی قمریوں نے ، طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری
ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری
مرا رونا نہیں ، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں ، خزاں ، ہر گل کی ہے گویا خزاں میری[1]

اپنی شاعری ، سخنوری اور جادو بیانی کے سلسلے میں فطرت کی اشیاء کا سہارا لیکر اس نظم میں شاعر یوں گویا ہے

عطا ایسا بیاں مجھکو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں

---

1 علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 68 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان مجھکو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے گیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھکو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشان برگ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ میں گلچیں
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
سن اے غافل صدا میری یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں [1]

نظم کے آخری حصہ میں شاعر اگرچہ محبت کی جامع تعریف کرتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ مناظر فطرت کو بھی ابھارا ہے اور محبت اور فطرت کے دلکش امتزاج کو سامنے لایا ہے ۔

بیابان محبت ، دشت غربت بھی ، وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی ، آشیانہ بھی ، چمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی
جرس بھی ، کارواں بھی ، راہبر بھی ، رہزن بھی ہے [2]

---

[1] علامہ اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص 70 ـــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ یو پی

[2] ایضاً ص 75

بانگ درا کی نظموں میں جگنو کے زیرعنوان لکھی گئی نظم کئی اعتبار سے اہم ہے یوں تو یہ نظم تصوف اور وحدت الوجود کے خیالات سے بھرپور ہے تاہم مناظر کی عکاسی علامہ نے جس انداز میں کی ہے ، اس سے انکی فطرت پسندی کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ شاعر ہر شے میں خدا کے صفات کی جلوہ آرائی دیکھتا ہے ۔ قدرت نے ہر شے کو وسعت وعظمت عطا کی ہے مثلاً پروانے کو تپش، جگنو کو روشنی ، پرندے کو رنگین نوا وغیرہ ۔ ذات باری کی وحدت دنیا کی کثرت یا مخلوقات میں پوشیدہ ہے ورنہ وہی ایک ذات جو جگنو میں چمک رہی ہے اور پھول میں مہک رہی ہے جب حقیقت یہ ہے کہ اس ذات کے بغیر کسی کا وجود ہی نہیں تو پھر مظاہر فطرت کا باہمی اختلاف ہنگاموں ، آپسی دشمنیوں اور نفرتوں کا سبب نہیں ہونا چاہئیے وحدت وجود کے سلسلے میں ظاہر کئیے گئیے خیالات پر اقبال نے بعد میں اگرچہ ترمیم کی ، تاہم اس نظم میں وحدت الوجود کے سلسلے میں ان کا نظریہ واضح ترین شکل میں سامنے آتا ہے ۔ جگنو میں علامہ نے منظرنگاری کے دوران بڑی بلیغ تشبیہوں اور استعاروں کا استعمال کیا ہے ۔ نظم میں سے چند اشعار نقل کئیے جاتے ہیں تاکہ اس نظم کی منظری خوبیاں سامنے آجائیں ۔

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی

پروانے کو تپش دی ، جگنو کو روشنی دی

رنگین نوا بنایا مرغان بے زبان کو

گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں بھی

چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگین کیا سحر کو ، بانکی دلہن کی صورت

پہنائے لال جوڑا ، شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو

پانی کو دی روانی ، موجوں کو بے کلی دی[1]

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے

انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے

یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا

واں چاندنی ہے جو کچھ ، یاں درد کی کسک ہے

انداز گفتگو نے دھوکے دئے ہیں ورنہ

نغمہ ہے بوئے بلبل ، بو پھول کی چہک ہے

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی

جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے[2]

اقبال کی شاعری میں دریاؤں کی تیز گامی ، تیز خرامی اور روانی کا متعدد بار ذکر ملتا ہے ۔ اسی طرح جیسے وارڈس ورتھ TINTERN ABBEY میں

1۔ علامہ اقبال ۔۔ بانگ درا ۔۔ ص 84 ۔۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

2۔ ایضاً ص 85

دریائے وے کے ساتھ اپنی یادوں کا اعادہ کرتا ہے ۔ اقبال گنگا ، جمنا راوی ، الکبیر، دجلہ ، فرات ، نیل اورڈینوب کا خاص طور پر اس لئے ذکر کرتا ہے کیونکہ ان دریاؤں کے ساتھ دنیا کی تاریخ کے اہم واقعات منسلک ہیں ۔ بانگ درا میں کنارِ راوی کے نام سے جو نظم اقبال نے تحریر کی ہے وہ شاعرانہ مصوری کی بہت ہی دلکش مثال ہے ۔ استعارات ، تشبیہات اور رمز و کنایہ کے انمول نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ نظم میں میناروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے ہمارے ذہنوں کو مسلمانوں کے شاندار ماضی کی طرف منتقل کردیا ہے ۔ نظم میں اقبال نے ایک کشتی کی روانی کے ساتھ انسانی عمر کو مشابہ کیا ہے ، اس طرح ایک اخلاقی نکتے کی طرف اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرائی ہے ۔ نظم کے آغاز میں اقبال قارئین کو راوی کے کنارے پہنچاکر اس سکوت و سکون کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شام کے وقت دریا کے کنارے پر ہوتا ہے ۔ شاعر اس قدر گم سم ہوجاتا ہے کہ اسے اپنے آپ کی خبر نہیں رہتی ہے ۔ شام کی شفق کو سورج کے پھولوں سے تشبیہ دے کر اور شہسوار چغتائی کے خواب گاہ کے میناروں کی عظمت سامنے لاکر شاعر کیف و مستی کا ایک نادر نمونہ پیش کرتا ہے :

سکوت شام میں محو سرود ہے راوی

نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی

پیام سجدہ کا یہ زیروبم ہوا مجھ کو

جہاں تمام سواد حرم ہوا مجھ کو

سر کنارہ آب رواں کھڑا ہوں میں

خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

شراب سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامن شام

لیے ہے پیر فلک دست رعشہ دار میں جام

عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا

شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا

کھڑے ہے دور وہ عظمت فزائے تنہائی

منار خواب گہہ شہسوار چغتائی

مقام کیا ہے سرود خموش ہے گویا

شجر یہ انجمن بے خروش ہے گویا[1]

علامہ اقبال کی اکثر و بیشتر غزلیں بال جبریل میں درج ہیں جن میں منظرنگاری کے شاندار نمونے پڑھنے والے کو مل سکتے ہیں ، مگر یہاں بانگ درا کی غزلوں میں بھی منظرکشی کے بہترین مرقعے سجائے گئے ہیں ۔ زندگی کے مسائل ، معاملات محبت کی واردات اور زمانے کے پیچیدہ حالات کو غزل میں سما کر اقبال مناظر قدرت کا ساتھ ساتھ ذکر بھی کرتے ہیں مثلاً ایک غزل کے یہ چند شعر:

---

[1] علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص ۹۴ ۔ 95 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

وہ مشتِ خاک ہوں فروغِ میں سے خود گلزار بن جاؤں
ہوائے گل فراقِ ساقئ نامہرباں تک ہے
چمن افروز ہے صیاد میری خوش نوائی تک
رہی بجلی کی بے تابی سو میرے آشیاں تک ہے
وہ مشتِ خاک ہوں فیضِ پریشانی سے صحرا ہوں
نہ پوچھو میری وسعت کی، زمیں سے آسماں تک ہے
چمن زارِ محبت میں خموشی موت ہے بلبل
یہاں کی زندگی پابندئ رسمِ فغاں تک ہے[1]

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں منظرنگاری کے نمونے پیش کرکے انسان کی توجہ مختلف حالتوں اور نازک کیفیتوں کی طرف مرکوز کرائی۔ انھوں نے فطرت کے کسی بھی پہلو کو نہ چھوڑا لیکن ہر پہلو میں فلسفیانہ نکتہ کا اظہار ملتا ہے۔ ایسے ہی خیا کا اظہار سلام سندیلوی نے اس طرح کیا ہے:

> اقبال نے فطرت کی مختلف اشیاء کو مجسم کرکے ان سے گفتگو کی ہے انھوں نے بے جان چیزوں کو جاندار تصور کرلیا ہے اور بے زبان اشیاء کو زبان دے دی ہے۔ اقبال کے یہاں اس قسم کی نظموں کی تعداد کافی ہے۔ فطرت نگاری کے سلسلے میں زیادہ تر اُن کی نظمیں ایسی ہیں جن میں یا تو

1۔ علامہ اقبال ــــ بانگ درا ــــ ص 102 ــــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

> انہوں نے بے نطق چیز کو ناطق تصور کرکے اس کی زبان سے کسی فلسفیانہ نکتہ کی تشریح کی ہے اور بعض نظمیں ایسی بھی ہیں جن سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دونوں بے جان چیزیں جاندار بن کر آپس میں گفتگو کر رہی ہیں اور اقبال کے نقطۂ نظر پر روشنی ڈال رہی ہیں ۔[1]

پروفیسر کلیم الدین احمد بھی اقبال کے اس نکتے کی طرف اشارہ کرکے لکھتے ہیں :

> اس راہ سے اقبال ایک دوسری راہ نکالتے ہیں ۔ ابر، چاند تارے کی زبانی اخلاقی یا فلسفیانہ مضامین بیان کرتے ہیں یا ابر، چاند، تارے میں جان ڈال کر ان کے فرضی جذبات کو شاعری کے سانچے میں ڈھالتے ہیں ۔ شعاع آفتاب، شبنم اور تارے پہلی قسم کی نظمیں ہیں ۔ ہر نظم میں کسی خیال کو شاعرانہ ڈھنگ میں بیان کیا گیا ہے ۔[2]

اقبال کی ایک نظم جو بہت ہی دلکش اور دلنشین ہے اس کا عنوان ہے پھول اس نظم میں منظرنگاری کی حسین اور دلکش مثالیں ملتی ہیں ۔ بظاہر تو شاعر پھول سے مخاطب ہے لیکن اس کا اشارہ اس انسان سے ہے جس سے دنیا

---

1. اردو شاعری میں منظرنگاری ۔ سلام سندیلوی ۔ ص 464 ۔ 465
2. اردو شاعری پر ایک نظر ۔ حصہ دوم ۔ کلیم الدین احمد ۔ ص 99
اردو مرکز پٹنہ 1956 ء

کی عظمت برقرار رہے ۔ وہ انسان کا وجود ایسا دیکھنا چاہتا ہے کہ جس سے پھول کی طرح دنیا کی فضا مہک اٹھے ۔ پھول کے چند اشعار یہاں پر قلمبند کئے جاتے ہیں جن سے ہم اقبال کی ان فنی صلاحیتوں کا مشاہدہ کرسکتے ہیں جو اس نے پھول کو مخاطب ہوکر بروئے کار لائی ہیں :

تجھے کیوں فکر ہے اے گل ! دل صد چاک بلبل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے !

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے !

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے ، پا بگل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے !

تنک بخشی کو استغنا سے پیغام خجالت دے
نہ رہ منت کش شبنم ، نگوں جام و سبو کر لے !

نہیں یہ شان خود داری ، چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے ، کوئی زیب گلو کر لے ! [1]

ان اشعار میں اقبال نے پھول اور بلبل کو جو کہ فطرت کا ایک حصہ ہیں مخاطب ہوکر انسان کو فلسفۂ زندگی کا پیغام دیا ہے ۔ پھول سے اقبال کہتا ہے کہ بلبل

---

1 بانگ درا ۔ علامہ اقبال ۔ ص 249 ۔ 250 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علیگڑھ

کے دل صد چاک کو رفو کرنے سے پہلے تجھے اپنے اندر جھانک کر دیکھنا چاہئیے اگر تو باغ میں عزت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے تو کانٹوں میں الجھ کر بھی تجھے نشیب و فراز طے کرنے ہونگے اور تو اپنی ایسی ہستی بنا کہ تو مصیبت میں رہ کر بھی آزاد رہ سکے ۔ دراصل اقبال پھول کو سامنے رکھکر اور صنوبر میں انسان کو لاکر اس کیلئے یہ پیغام دیتا ہے کہ قوم کی اصلاح کیلئے تجھے سب سے پہلے اپنی سیرت کی تکمیل کرنی ہوگی اور اگر تو دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو زندگی کی مصیبتوں کو برداشت کرنے کی عادت پیدا کرے جو شخص مصیبتوں سے گھبراتا ہے وہ کبھی زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور اگر تو آزادی کا آرزو مند ہے تو تمام فکری و عقلی قواعد و ضوابط کو بالائے طاق رکھکر ایسا فضا پیدا کرلے جس سے کوئی تمہاری آزادی نہیں چھین سکتا ۔

اس نظم میں اقبال نے باغ کا تلازمہ ایسے باندھا ہے کہ ہر شعر میں منظر نگاری کی جھلک نظر آتی ہے مثلاً پھول ، گل ، بلبل ، چاک ، گلزار ، کانٹے صنوبر، آزاد ، پابگل ، شبنم ، جام و سبو چمن ، گلچین ، غنچہ ، رنگ و بو ، زینت دامن اور آئینہ روان فطری الفاظ کا استعمال بڑے سلیقے سے اقبال نے کیا ہے ۔

موج دریا اقبال کی ایک دلکش مگر مختصر نظم ہے ۔ اس نظم میں اقبال نے موج کی کیفیت بیان کی ہے کہ حرکت اور روانی اس کی ذات کا خاصہ ہے ۔ موج مضطرب و پریشان ہے ۔ سیماب کی طرح اسے قرار نصیب نہیں وہ ہر وقت متحرک رہتی ہے ۔ اپنی منزل کو پانے کی آرزو مند ہے ۔ اس کی روانی کو کوئی

نہیں روک سکتا ۔ اس کی تڑپ کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمندر کی وسعت کی خواہش مند ہے اور دریا کی تنگی سے پریشان رہتی ہے ۔ وہ آزادی سے رہنا چاہتی ہے اور وہ آزادی اسے تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب وہ بحرِ بیکراں کے ساتھ مل کر ایک ہو جائے گی ۔ موجِ دریا کے ان اشعار کو شاعر نے کس خوبی سے پیش کیا ہے :

مضطرب رکھتا ہے مرا دلِ بیتاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے
موج ہے نام مرا بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے

آب میں مثلِ ہوا جاتا ہے توسن میرا
خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے
ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں یہ پوچھے کوئی میرے دل سے

زحمتِ تنگیٔ دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں میں

اقبال کی غزلوں اور چھوٹی نظموں میں جو بانگِ درا میں شامل ہیں ۔

منظرنگاری کے اچھے خاصے نمونے جابجا ملتے ہیں لیکن طولِ کلام سے بچنے کیلئے ان چھوٹی نظموں سے صرفِ نظرکیا جائے گا اوراگلے صفحات میں چند اہم نظموں کا جائزہ منظرنگاری کے تعلق سے لینے کی کوشش کی جائے گی ۔

"گورستانِ شاہی" بانگ درا کی نظموں میں صنائع لفظی اورمحاسن شعری کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے ۔ یہ نظم اولاً رسالہ مخزن ماہ جون 1910ء میں شائع ہوئی تھی یہ نظم میں سلاطین قطب شاہیہ کے مقبروں کے میناروں کے حوالے سے تاریخ کی حسرت ناک داستان تحریرکی گئی ہے ۔شاعر نے گورستان شاہی میں تاریخ نگاری کے ساتھ ساتھ منظرکشی کا ایک پرکیف ماحول ترتیب دیا ہے ۔بادلوں ، بجلیوں ، درختوں ، صحراؤں ، تنہائیوں اورفطرت کی خاموشیوں کا نقشہ خوبصورت ترین لفظوں سے کھینچا گیا ہے ۔ذیل میں نظم کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن سے ہم نظم کی منظری خوبیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں :

آسماں بادل کا پہنے خرقۂ دیرینہ ہے
کچھ مکدر سا جبینِ ماہ کا آئینہ ہے
چاندنی پھیکی ہے اس نظارۂ خاموش میں
صبح صادق سو رہی ہے رات کی آغوش میں
کس قدر اشجار کی حیرت فزا ہے خامشی
بربطِ قدرت کی دھیمی سی نوا ہے خامشی

باطن ہر ذرۂ عالم سراپا درد ہے
اورخاموشی لب ہستی پہ آہ سرد ہے
ابر کے روزن سے وہ بالائے بام آسماں
ناظر عالم ہے نجم سبز فام آسماں
خاکبازی وسعت دنیا ہے منظر اسے
داستان ناکامی انسان کی ہے ازبر اسے
ہے ازل سے یہ مسافر سوئے منزل جا رہا
آسماں سے انقلابوں کا تماشا دیکھتا
گو سکوں ممکن نہیں عالم میں اختر کے لئے
فاتحہ خوانی کو یہ ٹھہرا ہے دم بھر کے لئے
رنگ و آب زندگی سے گل بدامن ہے زمین
سینکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمین [1]

نظم کی خوبیوں کا جائزہ لیتے ہوئے مشہور شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یوں ہے :

بلاشبہ یہ نظم بڑی اثرآفرین ہے اور معنوی خوبیوں کے علاوہ اس میں محاسن شعری بکثرت موجود ہیں۔

---

1 علامہ اقبال ـــ بانگ درا ـــ ص ۱۴۹ ـ 150 ـــ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

1) اس نظم میں اقبال نے منظرکشی اور مرقع نگاری کا کمال دکھایا ہے -

2) یہ نظم تشبیہات اور استعارات رمز و ایما اور کنایات سے معمور ہے -

3) اس نظم میں اقبال نے زندگی کی بے ثباتی کو بڑے موثر طریقے سے واضح کیا ہے -

4) نظم میں فلسفہ اور شاعری کا خوشگوار امتزاج ملتا ہے - چنانچہ ساری نظم اوّل سے آخر تک سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ہے [1]

''خضر راہ'' بانگ درا کی طویل نظموں میں سے ایک ہے اور اس نظم کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس سے اقبال کی انقلابی شاعری کا آغاز ہوتا ہے - یہ نظم 1921ء میں لکھی گئی تھی چنانچہ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان بے شمار مصیبتوں میں گرفتار تھے ، اور مختلف ممالک میں مسلمان گوناگوں مشکلات کا سامنا کر رہے تھے - اس نظم کی اہمیت اور قبولیت عام کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے -

اقبال نے یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ منعقدہ 1926ء میں پڑھکر سنائی تھی اور سننے والوں کا بیان ہے کہ

---

[1] یوسف سلیم چشتی ـ بانگ درا مع شرح ـ ص 389 ـ 390 اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دلی

جب وہ اس نظم کو پڑھ رہے تھے تو وفورِ جذبات سے انکی
طبیعت بالکل بے قابو تھی ۔ وہ اکثر پڑھتے پڑھتے رک جاتے
تھے کیونکہ گریۂ پیہم ہر شعر کے بعد گلو گیر ہو جاتا تھا ۔
آنکھوں سے آنسوؤں کی ... جھڑی لگی تھی جب انھوں نے
یہ شعر پڑھا ۔

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

تو بیس ہزار کا مجمع بے اختیار رو رہا تھا اور خود اقبال کا یہ
حال تھا کہ روتے روتے گھگھی بندھ گئی اور اقبال کے دوستوں
کا بیان ہے کہ اس سے زیادہ رقت ان پر کسی نظم کے پڑھتے وقت
طاری نہیں ہوئی ۔ بلاشبہ ساری نظم سوز وگداز میں ڈوبی
ہوئی ہے [1]

شاعر نظم کے آغاز میں اپنی کیفیت کا خاکہ قدرت کے مناظر کے آئینے میں کھینچتا ہے ۔

ساحلِ دریا پہ میں اک روز تھا محوِ نظر
گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب
شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب

---

[1] یوسف سلیم چشتی ۔ بانگ درا شرح ۔ ص 702 ۔ 703 مطبوعہ اعتقاد
پبلیشنگ ہاؤس دلی

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طلسم ماہتاب [1]

اقبال اپنے قاری کو دریا کے کنارے پر لے جاتا ہے اور سکوت و سکون کی ان حالتوں سے گزارتا ہے جو دریا ، اسکی خاموشیوں ، اسکی لہروں اور اسکی گہرائیوں سے وابستہ ہیں - منظر نگاری کا یہ اعلیٰ نمونہ شاعر نے نظم کے شروع میں ہی پیش کیا ہے - ساحل دریا اس نظم میں محل وقوع بھی ہے اور مرکزی استعارہ بھی - دریا اقبال کی شاعری میں دنیا کے چند ممتاز شاعروں کی طرح وقت کے استعارے کے طور پر سامنے آتا رہا ہے - ساحل دریا ، دریا اور موج دریا اقبال کے تصور زمان کا عکس پیش کرتے ہیں - اقبال کے پیش کردہ مناظر فطرت میں دریا اور دریا کے کنارے کے علاوہ غروب آفتاب کی تصویریں بھی جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں - اس نظم کا تجزیہ کرتے ہوئے ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں :

خضر راہ میں بھی اقبال کا خواب جاگتی آنکھوں کا خواب ہے - رات کے افسوں سے طائر کز آشیانوں میں اسیر کرا رہا ہے اور انجم کم ضو بھی طلسم ماہتاب میں گرفتار ہے - یہ افسوں

---

[1] اقبال — بانگ درا — ص 255 — ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اور اس گرفتاری کے تلازمات اور اس سے مناسبت رکھنے
والی تراکیب نظم کے مختلف حصوں میں ان الفاظ کی شکل
میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ اسیر مست خواب ، مجنونظر ، رہین
خانہ ، زنجیری گشت تخیل ، تسخیر ، حلقۂ گردن ، خوب آور
اور مسکرات وغیرہ۔ اس طرح دریا بھی اپنے تلازمات نظم
کے مختلف حصوں پر پھیلائے ہوئے ہیں ۔ دریا متصور آب
اضطراب ، موج مضطر ، کشتی مسکین، چشمۂ سلسبیل ،
جوئے کم آب بحر بیکراں ، حباب ، قلزم ، سراب ، شبنم
مانند آب ، نیل ، ساحل ، دریا ، سمندر وغیرہ ان تلازمات
اور کلیدی الفاظ سے مناسبت رکھنے والی تراکیب سے زیر بحث
نظم میں اقبال کے لفظیاتی نظام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے
لفظیات کا جو نظام بانگ درا کی نظموں میں اپنے وجود کا صرف
احساس دلاتا ہے وہ بال جبریل کی شاعری میں زیادہ نمایاں اور
مستحکم ہو کر سامنے آتا ہے ۔ یہی نظام خضرراہ کے بہت سے
غیر مربوط اشعار کو ایک خاص ربط اور ہم آہنگی سے آشنا کرتا ہے
اور فکری یا فلسفیانہ بالادستی کے باوجود منفی نقطۂ نظر سے
وحدت کا احساس دلاتا ہے ۔" [1]

---

1 خضر راہ — ابوالکلام قاسمی — رسالہ شبخون شمارہ جون ۔ جولائی 1976ء ص ۴۶

خضر راہ کے دوسرے حصے جواب خضر میں منظر کشی کی ایسی فضا وجود میں آتی ہے جس کا یقیناً کہیں جواب نہیں۔ خضر شاعر کو جواب دیتا ہے کہ زندگی کی اصل حقیقت صحرا نوردی یا سفر میں ہے اور پھر اس اہم تاریخی واقعے کی طرف لطیف اشارہ ہے جب حضرت ابراہیمؑ شام کے وقت آسمان پر تارے دیکھتا ہے ۔ پھر چاند دیکھتا ہے اور سورج کو دیکھتا ہے اور ان کے بارے میں رب ہونے کا خیال کرتا ہے ۔ لیکن یہ سارے جب ایک ایک کر کے غروب ہو گئے تب حضرت خلیل الرحمٰن نے فرمایا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ یہ سارا منظر یوں بیان کیا گیا ہے :-

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے ؟
یہ تگا پوئے دمادم زندگی کی ہے دلیل
اے رہین خانہ تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ خضر بے برگ و ساماں ، وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیلؑ

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیلؑ !
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل !
تازہ ویرانے کی سودائے محبت کو تلاش
اور آبادی میں تو زنجیری کشت و نخیل ! [1]

او پر کے اشعار ہمارے سامنے ایسے پیکروں کو جنم دیتے ہیں جو حسی اور بصری نوعیت کے ہیں ایسے پیکر جن کو با آسانی دیکھ سکتے ہیں اور جن کی خوبیوں اور خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں ۔ ابوالکلام قاسمی مناظر فطرت سے متعلق ان اشعار کا جائزہ یوں لیتے ہیں :

" ان اشعار میں دشت و صحرا کی زندگی کے ایسے رنگا رنگ
مناظر سامنے لائے گئے ہیں جن سے پابند زندگی کے بالمقابل
آزاد زندگی کی جھلک سامنے آتی ہیں اور مختلف حسی پیکر ہمارے
حواس کو متحرک کرنے کا کام انجام دیتے ہیں ۔ دشت و صحرا میں
پانی کے چشمے پر قافلوں کے قیام پر جنت میں سلسبیل کے
گرد ایمان والوں کے ہجوم کا گماں گزرتا ہے ۔ یہ تشبیہہ ہمارے
تصور کو ماورائی فضا میں لے جاتی ہے اور کائنات کی دیکھی ہوئی

---

1. اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 257 ۔ 256 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اور ان دیکھی ہوئی اشیاء کے درمیان مماثلت کے پہلوؤں کی
تلاش کی تخیلاتی قوت کا ثبوت فراہم کرتی ہے[1]

نظم کے اگلے حصّوں میں اقبال خالصتہً زندگی ، سلطنت ، سرمایہ و محنت اور دنیائے اسلام کی موجودہ صورت حال پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے ۔مجموعی اعتبار سے یہ نظم فکرِ اقبال کی اعلیٰ ترجمانی کرتے ہوئے اقبال کے فطرت پسند اور فطرت شناس روّیے کی اشاندہی کرتی ہے ۔

بانگ درا کی لمبی نظموں میں "طلوع اسلام" کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہ نظم امید اورمسرت کے جذبات سے بھری پڑی ہے ۔ خضرِراہ میں اگرچہ کہیں کہیں مایوسی کے احساسات نظر آتے ہیں لیکن طلوع اسلام میں اقبال روشن مستقبل اورملّت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا اعلان کرتے ہیں ۔ یہ نظم اگرچہ ان کے فلسفیانہ اورمفکرانہ جلال و جمال کی آئینہ دار ہے وہاں اس نظم میں فطرت کے رموز ، فطرت کی اشیاء اورفطرت کی رنگا رنگی کا کمال بھی دکھایا گیا ہے ۔ شاعرہمارا ذہن سب سے پہلے شعر میں آسمان کے ان تاروں کی طرف لے جاتا ہے جو صبح کے وقت تنک تاب یعنی کم چمکنے والے ہوتے ہیں اورانکی یہ تنک تابی صبح روشن کی دلیل ہوتی ہے ۔چنانچہ جب سورج مشرق سے نمودار ہے توگہری نیند میں سو جانے کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے ۔ بیداری شروع ہوتی ہے زندگی کا قافلہ رواں دواں ہوتا ہے ۔شاعر باغ کے بلبل سے مخاطب ہوکرکہتا ہے

---

1. ابوالکلام قاسمی ۔۔ خضرِراہ شب خون ۔۔ ص 53 ۔۔ شمارہ جون جولائی 976

کہ اگر پھول کے غنچوں میں گراں خوابی کا کچھ اثر موجود ہے تو پھر اپنی آواز کو بڑھاتا کہ نغمہ کی خوبی صاف صاف سامنے آجائے چنانچہ شاعر صحن چمن میں، آشیاں میں اور شاخساروں میں حرکت و حرارت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ یہ حرکت و عمل کی کیفیت دراصل اقبال ملّت کی رگوں میں محسوس کرنا چاہتا ہے لیکن یہاں ان کے لئے اقبال نے فطرت کے مختلف پیکروں کا نام لیا ہے۔

دلیلِ صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
تڑپ صحن چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیر سیمابی [1]

اس نظم میں علامہ نے وہ مشہور شعر لکھا ہے جس میں نرگس اپنی بے نوری پر ہزاروں سال سے اشکبار رہے اور پھر یہ کہ ایک چمن میں بڑی مشکل سے دیدہ ور پیدا ہوتا ہے، جو نرگسیت کی اصلیت کو جان سکے اور اسے پہچان سکے۔ نظم کے دوسرے بند میں اقبال نے دو مشہور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک گل اور دوسرا نرگس۔

1۔ اقبال کلیات اقبال ۔۔ ص 202 ۔۔ ناز پبلشنگ ہاؤس دہلی

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کردے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہید جستجو کردے[1]

رفیع الدین ہاشمی طلوع اسلام کے متعلق لکھتے ہیں :

طلوع اسلام میں اقبال نے حسن فطرت اور اس کے مظاہر و اجزاء کے تذکرہ و تحسین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا ۔ نظم کا آغاز ہی صبح روشن ، ستاروں کی تنک تابی ، افق اور آفتاب سے ہوتا ہے ۔ آگے چلئے تو فطرت کے ان تمام خارجی مظاہر کا تذکرہ ملے گا جن پر اقبال شیدا و فریفتہ ہیں مثلاً طوفان ، تلاطم ہائے دریا لالہ ، دریا اور گہر ، انجم ، شاہین ، عروس لالہ پرواز شاہین قہستانی ، قندیل رہبانی وغیرہ ۔ یہ الفاظ اور تراکیب اقبال کے ہاں مخصوص علامتوں کی نمائندگی کرتی ہیں ۔ اقبال نے ایک طرف تو ان کے ذریعے اپنا مافی الضمیر اس خوبی اور بلاغت کے ساتھ ادا کر دیا ہے اور دوسری طرف فطرت کے حسن کو خراج عقیدت بھی پیش کر دیا اور یوں تحسین فطرت کے ذوق کو تسکین بہم پہنچائی جو ابتدائی دور سے ان کی گھٹی میں پڑا تھا ۔ طلوع اسلام کا یہ پہلو کہ وہ

---

1) کلیات اقبال ــــ ص 203 ــ تاز پبلشنگ ہاؤس دہلی

فکر کے ساتھ ساتھ تحسین فطرت کے ذوق کی آبیاری
بھی کرتے جاتے ہیں - اقبال کی رومانوی طبع پر
بھی دلالت کرتا ہے [1]

اقبال کی شاعری اور بالخصوص اسکی منظرنگاری میں جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ یہ کہ اقبال دل کی دنیا اور خارجی عالم میں بڑی فنکاری کے ساتھ رشتہ جوڑتا ہے - وہ اپنے فن کے اشارات کے ذریعے فطرت کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے - وہ فطرت کی سرگوشیوں کو سنتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے جذبات کو فطرت پر طاری کردیتا ہے - فطرت جو بات اکھڑے اکھڑے طور رکھتی ہے ، اس کو وہ اپنے احساس کی گرمی اور توانائی سے موزوں طریقے سے بیان کرتا ہے - وہ اپنے جذبے دروں سے حقیقت میں گہرائی پیدا کرتا ہے جو کام فطرت سے نہ ہو سکا اسکی تکمیل فنکار کے ہاتھوں ہوجاتی ہے - شاعر اپنے دل سے کہتا ہے کہ تجھے کس چیز کی تلاش ہے ، کس شئے کی ہوس ہے ، کیا تو نہیں جانتا ہے کہ قدرت اور قدرت کے مظاہر تیرے ہم نفس ہیں اور یہ ساری اشیاء اپنا تعلق تیرے ساتھ قائم کرنا چاہتی ہیں - تنہائی کے عنوان سے فارسی میں بھی اقبال نے ایک نظم لکھی ہے لیکن جو بات بانگ درا کی چھوٹی سی نظم تنہائی میں ہے اس کا جواب نہیں - صرف پانچ اشعار پر مشتمل اس نظم میں شاعر نے منظرنگاری کا کیا جادو جگایا ہے -

---

[1] رفیع الدین ہاشمی - اقبال کی طویل نظمیں - ص 125 - 126
گلاب پبلیکیشنز

تنہائی شب میں ہے حزیں کیا؟

انجم نہیں تیرے ہم نشیں کیا؟

یہ رفعت آسمان خاموش

خوابیدہ زمیں، جہان خاموش

یہ چاند، یہ دشت و در، یہ کہسار

فطرت ہے تمام نسترن زار

موتی خوش رنگ پیارے پیارے

یعنی، ترے آنسوؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل

قدرت تری ہم نفس ہے اے دل[1]

فطرت کے جلوؤں کی رنگا رنگی اور رعنائی فنکار کے دل میں جب اپنا عکس اور رعنائی فنکار کے دل میں جب اپنا عکس اور اس کے خیالوں اور جذبوں میں حل ہوکر اظہار چاہتی ہے تو اس وقت وہ اپنے وجود کی غرض و غایت کو پورا کرتی ہے۔ فطرت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اہل نظر کو اپنی طرف مائل کرے۔ فطرت اس وقت تک حسن سے عاری رہتی ہے، جب تک کہ انسانی نظر اس میں جمال آفرینی نہ کرے۔ شفق کے منظر میں اس وقت دلکشی آتی ہے جب

---

1. علامہ اقبال — بانگ درا — ص 129 — ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

کوئی صاحب نظر اسکو دیکھکر پکار اٹھتا ہے کہ کیا خوبصورت منظر ہے ۔ اقبال نے فطرت عالم وجود کا اپنے گرد و پیش کو اپنے ساتھ ایسے جوڑ دیا ہے کہ اس میں شوخیٔ فکر سے ایک نزاکت پیدا ہوجاتی ہے ۔ فطرت کے جلووں کی رنگا رنگی اس کے دیدۂ بیدار کی رہین منت بنتی ہے ۔

ایں جہاں چیست؟ صنم خانۂ پندار من است
جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے او را
حلقۂ ہست کہ از گردش پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زماں وچہ مکان شوخیٔ افکار من است[1]

اقبال فطرت کی ایک ایک ادا کا رمز شناس اور نکتہ دان ہے ۔ کبھی وہ اپنے آپ کو اپنے ارادے کی بدولت اس سے جدا خیال کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ فطرت پر غلبہ اور تصرف حاصل کرے ۔ فطرت اس کے مقاصد کا ایک وسیلہ ہے ، وہ اسکی تسخیر میں جس قدر جد و جہد کرتا ہے اسی قدر اپنی شخصیت کی تکمیل کا سامان بہم پہنچاتا ہے ۔ کائنات اپنی وسعتوں کے اعتبار سے اگرچہ بے پایاں اور بے انتہا ہے لیکن کائنات فطرت اقبال کے خیال میں اس بہت بڑی دولت سے محروم ہے

---

1 علامہ اقبال ۔۔ کلیات فارسی ۔۔ ص 13 زبور عجم کتب خانہ نذیریہ اردو بازار دہلی

جو انسان کے پاس ہے اور وہ ہے انسان کا ذہنی ادراک ، اسکی فعال شخصیت اور اسکی باشعور ہستی ۔ فطرت چاہے انسان کو مٹانے کی قوت رکھتی ہے لیکن وہ اپنی قوت کا شعور نہیں رکھتی ۔ اقبال نے اپنے کلام میں متعدد بار اس خیال کو پیش کیا ہے کہ فطرت مجبور محض ہے ۔ وہ جیسی ہے بس ویسی ہے ۔ وہ اپنی طبیعت کو تبدیل نہیں کرسکتی ۔ فطرت کے مقابلے میں انسان کا ذہن مزاحمت کرتا ہے ۔ اس میں مقابلے کی صلاحیت ہے ۔ وہ اپنے اوپر جبر کی حالت کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتا ہے اور نہ اسکی حیثیت انفعالی ہے ۔ انسان اپنی صلاحیتوں کو برتتا اور آزماتا ہے ۔ وہ فطرت میں تخلیقی طور پر تصرف کرتا ہے جسکی نوعیت تخلیقی ہے ۔ بانگ درا میں اس خیال کو اقبال نے مختلف پیرائیوں میں ظاہر کیا ہے ۔ وہ جہاں فطرت کی زبردست شیدائی لگتے ہیں ، وہاں وہ فطرت اور انسان کے درمیان تفاوت اور تضاد کو واضح کردیتا ہے ۔ اس تضاد کو ظاہر کرنے کے پس منظر میں دراصل اس فلسفے کی تائید و توثیق کرنا مقصود ہے ۔ جسے اقبال فلسفۂ خودی کہتے ہیں ۔ اقبال اگرچہ تسلیم کرتا ہے کہ فطرت ہم سے آزاد بھی ہے اور وابستہ بھی لیکن ایک چیز انسان میں ایسی ہے جو اس کو فطرت سے علاحدہ کرتی ہے اور وہ اس کا تاثر و احساس ہے احساس ذات اور احساس کائنات انسان کے ساتھ وابستہ ایسی حقیقتیں ہیں جن سے فطرت عاری اور کلی طور پر محروم ہے ۔ انسان زندگی کی اصل حقیقت ہے ۔

اقبال فرد کو جماعتی زندگی کی قدروں کا تابع دیکھنا چاہتا ہے کہ بغیر اس کے تمدن محال ہے ۔ اس کو اس بات کا بھی پورا احساس ہے کہ فرد کی شخصیت اجتماعی ماحول کے بغیر آب و تاب انہیں حاصل کرسکتی اور خودی کو پرورش جو حاصل حیات ہے ، جماعت کے وسیع ضبط و آئین کے بغیر ممکن نہیں ۔ مظاہرات اور مناظر فطرت قدرت بھی اپنی جگہ اگرچہ منظم و منضبط ہیں لیکن انسان جب نظم و ضبط اور اجتماعی زندگی گزارتا ہے تو اس کے اجزے ہوئے چمن میں بہار کی امید پیدا ہوجاتی ہے ۔ اقبال نے یہ خیال تمثیلی انداز میں لیکن مناظر فطرت کی نقاشی کے ساتھ ظاہر کیا ہے :

ڈالی گئی جو فصل خزاں میں شجر سے ٹوٹ
ممکن نہیں ہری ہو سحاب بہار سے
ہے لازوال عہد خزاں اس کے واسطے
کچھ واسطہ نہیں ہے اسے برگ و بار سے
ہے تیرے گلستاں میں بھی فصل خزاں کا دور
خالی ہے جیب گل زر کامل عیار سے
جو نغمہ زن تھے خلوت اوراق میں طیور
رخصت ہوئے ترے شجر سایہ دار سے

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ [1]

گزشتہ سطور میں بانگ درا کی چند چھوٹی اور بڑی منظری نظموں کا تعارف، تجزیہ اور تنقیدی محاسبہ کیا گیا ۔ دراصل پوری کتاب میں منظرنگاری کے عمدہ نمونے اور نشانات بکھرے ہوئے ہیں ۔ ان تمام نظموں کا جائزہ لینا اس مختصر سی بحث میں ممکن نہیں ، تاہم مختلف مقامات پر جو اشعار اقبال کی منظرنگاری اور فطرت پسندی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں ۔ انہیں بانگ درا کی نظموں کی ترتیب کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔ اقبال اپنے آپ کو ایک نظم 'عاشق ہرجائی' میں مجموعۂ اضداد قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہے :

مثل بوئے گل لباس رنگ سے عریاں ہے تو

ہے تو حکمت آفریں ، لیکن تجھے سودا بھی ہے

حسن نسوانی ہے بجلی تیری فطرت کے لئے

پھر عجب یہ ہے کہ تیرا عشق بے پروا بھی ہے [2]

مُکر آتی ہے نسیم چمن طور کبھی

سمت گردوں سے ہوائے نفس حور کبھی

---

1. علامہ اقبال ۔ بانگ درا ۔ ص 248 ۔ 249 ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
2. ایضاً ص 122

نغمۂ یاس کی دھیمی سی صدا اٹھی ہے
اشک کے قافلے کو بانگ درا اٹھتی ہے
جس طرح رفعت شبنم ہے مذاقِ رم سے
میری فطرت کی بلندی ہے نوائے غم سے

نوائے غم — بانگ درا
(صفحہ نمبر 125)

ہے گرم خرام موج دریا
دریا سوئے بحر جادہ پیما
بادل کو ہوا اڑا رہی ہے
شانوں پہ اٹھائے لا رہی ہے
تارے مست شراب تقدیر
زندان فلک میں پا بہ زنجیر
خورشید وہ عابد سحر خیز
لانے والا پیام برخیز
مغرب کی پہاڑیوں میں چھپ کر
پیتا ہے مئے شفق کا ساغر

کوئی نہیں غمگسار انسان

کیا تلخ ہے روزگار انسان

انسان - بانگ درا
(ص 126 - 127)

آہ! اے سسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو

رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو

زیب تیرے خال سے رخسار دریا کو رہے

تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے

ہو سبک چشم مسافر پر ترا منظر مدام

موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا

حسنِ عالم سوز جس کا آتش نظارہ تھا

(نظم صقلیہ - بانگ درا - ص 133)

اقبال اپنی ابتدائی شاعری میں وحدت الوجود کے قائل نظر آتے ہیں لیکن بعد میں انہوں نے اس نظریے کو اگرچہ مسترد نہیں کیا تاہم وحدت الشہود کے نظریے کو سراہا - جن کے مطابق ہر شئے اللہ کی بنائی ہوئی ہے -

بذات خود اللہ نہیں جب کہ وحدت الوجود کے مطابق ہر شئے اللہ کا وجود ہے۔
ذیل کے اشعار میں اگرچہ وحدۃ الوجود کی طرف واضح اشارہ ہے لیکن مناظر
کا بیان بڑے تسلسل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں
بلندی آسمانوں میں، زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں، افتادگی تیری، کنارے میں
جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں، ستارے میں
مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشک محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

غزلیات ۔ بانگ درا ۔ ص 138

سفینہ برگ گل بنالے گا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش، مگر یہ دریا سے پار ہوگا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کا
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پا بگل ہیں!
تو غنچے کہنے لگے، ہمارے چمن کا یہ راز دار ہوگا

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو

شرر فشاں ہوگی آہ میری نفس میرا شعلہ بار ہوگا

(غزلیات ۔ بانگ درا ۔ ص 141 ۔ 142)

اردو کے سینکڑوں شاعروں سے نمود صبح ، عروس صبح ، طلوع صبح ، ظہور صبح اور انوار صبح کے عنوانات کے تحت صبح کی منظرکشی کی ہے ۔ اقبال نمود صبح کے عنوان سے ایک دوسرے ہی انداز بیاں میں صبح کی نمود کا نغمہ الاپتا ہے ۔

ہو رہی ہے زیر داماں افق سے آشکار

صبح ، یعنی دختر دوشیزۂ لیل و نہار

پا چکا فرصت درود فصل انجم سے سپہر

کشت خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار

آسماں نے آمد خورشید کی پا کر خبر

محمل پرواز شب باندھا سر دوش غبار

شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے

بوئے تھے دہقان گردوں نے جو تاروں کے شرار

مطلع خورشید میں مضمر ہے یوں مضمون صبح

جیسے خلوت گاہ مینا میں شراب خوشگوار

(نظم نمود صبح ۔ بانگ درا ۔ ص 152 ۔ 154)

اقبال کی اردو اورفارسی شاعری میں متعدد مقامات پرندی نالوں کا ذکرملتا ہے۔
یہ ذکرفقط پانی ، اسکی لہروں اوراسکی روانیوں سے ضرور متعلق ہوتی ہے ۔
مگراقبال ہرمقام پرزندگی کی ابدی اورسرمدی حقیقتوں کے ساتھ ندی نالے
کا رشتہ جوڑ دیتا ہے ۔

آتی ہے ندی جبین کوہ سے گاتی ہوئی
آسمان کے طائروں کو نغمہ سکھلاتی ہوئی
آئینہ روشن ہے اس کا صورت رخسار حور
گر کے وادی کی چٹانوں پر یہ ہوجاتا ہے چور
نہر جو تھی اس کے گوہر پیارے پیارے بن گئے
یعنی اس افتاد سے پانی کے تارے بن گئے
جوئے سیماب رواں پھٹ کر پریشان ہوگئی
مضطرب بوندوں کی اک دنیا نمایاں ہوگئی
ایک اصلیت میں ہے نہر روان زندگی
گر کے رفعت سے ہجوم نوع انساں بن گئی

(فلسفہ غم ۔ بانگ درا ۔ ص 156 ۔ 157)

انسان کی تعریف ، اس کی اصلیت ، ماہیت ، قوت اور صلاحیت کا ٹھیک ٹھیک
جائزہ اقبال نے ایک چھوٹی سی نظم انسان میں لیا ہے لیکن مناظر قدرت کا

خاکہ انسانی وجود کی صورت میں یوں پیش کیا ھے :

منظر چمنستاں کے ، زیبا ھوں کہ نازیبا
محروم عمل نرگس ، مجبور تماشا ھے
رفتار کی لذت کا احساس نہیں اسکو
فطرت ہی صنوبر کی محروم تمنا ھے
تسلیم کی خوگر ھے جو چیز ھے دنیا میں
انسان کو ہر قوت ، سرگرم تقاضا ھے
اس ذرّہ کو رہتی ھے وسعت کی ھوس ہر دم
یہ ذرّہ نہیں ، شاید سمٹا ھوا صحرا ھے
چاھے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستی دانا ھے ، بینا ھے ، توانا ھے

(نظم انسان — بانگ درا — ص 179)

شمع اورشاعر کے ان اشعار میں منظر نگاری نقطۂ عروج کو چھوتی ھے :

آسماں ھوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ھو جائے گی
اس قدر ھوگی ترنم آفریں باد بہار
نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ھوجائے گی

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہوجائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہوجائے گی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہوجائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خون گل چیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائے گی !
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی !
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

الغرض پوری بانگ درا میں علامہ اقبال نے قدرت کے مناظر کا ذکر استعارہ ، کنایہ ، تشبیہ ، رمز ، ایما اور تمام محاسن شعری کا سہارا لیتے ہوئے بڑی چابکدستی کے ساتھ کیا ہے ۔ بانگ درا کی نظموں میں انگریزی کے رومانوی شعراء کا اثر موجود ہے جس کا میں نے ابتدا میں تذکرہ کیا ہے ۔ اس میں اقبال کے ابتدائی غور و فکر ، مشق ، ریاض کا بھی عمل دخل ہے جس سے ہر چیز

فنکار کو سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ بانگ درا میں منظرکشی کے جہاں بے مثال نمونے ملتے ہیں وہاں یہ فن دوسری کتابوں میں اپنی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے ۔

فطرت نگاری میں اقبال کا طرز بیان وصفی یا توضیحی نہیں بلکہ لیحئی اور بولک ہے اور وہ یا تو منظر کے حسن کے مجموعی تاثر کو سامنے رکھکر خیالی مرقعے بناتے ہیں یا انسانی فطرت میں مشابہتیں و مماثلتیں تلاش کرکے اظہار خیال میں مدد لیتے ہیں ۔ فطرت نگاری کی بنا پر ہی اقبال کو مصور فطرت کا لقب دیا گیا ہے ۔ اقبال کی فطرت نگاری ، فطرت پرستی کے مترادف نہیں ۔ وہ حسن فطرت کو انسان اور انسانیت سے متعلق بصیرتوں کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں ۔ اقبال کے کلام میں خالص فطرت پرستی کا میلان اگرکہیں ہے بھی تو انکی شاعری کے ابتدائی دور میں ہے جس میں وہ مغرب کے فطرت پرست شعراء کے زیر اثر مناظر کی داخلی مصوری بھی کرتے ہیں اور انکی جمالی کیفیتوں کو بیان کرتے ہیں اس کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں کیا گیا ہے مگر اس دور میں بھی اقبال فطرت کے پرستار معلوم نہیں ہوتے بلکہ ان کا ذہن حسن فطرت سے مسرت اندوزی کے ساتھ ساتھ کائنات کے اسرار و رموز کے اظہار اور انکی جستجو کی طرف مائل ہوجاتے ہیں یعنی وہ فطرت اور اس سے متعلق اشیاء کے بارے میں غور و فکر کرنے لگ جاتے ہیں ۔

اقبال کا فکر اور شعر جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے ، ان کے کلام میں فطرت پسندی کا عنصر کم سے کم تر ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ان کے ذہن و فکر پر

دیگر افکار غالب آتے جاتے ہیں اور وہ احساس جمال کو مسخر کرنے کا ارادہ باندھتے ہیں:

فطرت کو خرد کے رو برو کر
تسخیر مقام رنگ و بو کر

اقبال کے کلام میں مناظر و مظاہر کی تصویریں مرکب بھی ہیں اور بسیط بھی مگر اقبال کی فطرت نگاری میں مقامیت بہت کم ہے اور اگر ہے بھی تو وہ عموماً ان مقامات سے متعلق ہے جن سے جمالیاتی کشش کے بجائے کسی قومی یا ملّی جذبہ کی بنا پر اقبال کو دلبستگی ہے، اقبال زمینی، آسمانی، فضائی اشیاء و اجسام غرض بیشتر مناظر کے چھلکتے حسن سے مسرت اندوزی کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں نباتات، موسم، چرند، پرند، بچوں، پالتو جانوروں سے متعلق بہت سی نظمیں ہیں مگر ان کے سلسلے میں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ان میں سے بیشتر وہ ہیں، جن کا تعلق انکی شاعری کے پہلے دو ادوار سے ہے یا پھر ایسی ہیں جن میں خالص فطرت نگاری ان کا مقصود نہیں۔

فطرت نگاری میں اقبال کا طرز بیان وصفیہ یا توصیفیہ نہیں بلکہ ایمائی و رمزی ہے۔ وہ منظر کی مقامی اور ٹھوس جزئیات سے کم لگاؤ رکھتے ہیں بلکہ منظر کے حسن کے مجموعی تاثر کو سامنے رکھ کر خیالی مرقعے تیار کرتے ہیں:

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
نیلے نیلے ، اودے اودے پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن [1]

بال جبریل کی ایک نظم "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" میں اقبال نے قصۂ آدم کے ساتھ مناظر کا ایسا سماں پیدا کیا ہے جس سے ہم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں ۔ پورے قصۂ میں مناظر کا ایک حسین سلسلہ ہے :

کھول آنکھ ، زمیں دیکھ ، فلک دیکھ ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا سے
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک ، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ ، یہ صحرا ، یہ سمندر ، یہ ہوائیں
تھیں پیش کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

---

1 — اقبال — بال جبریل — ص 22 — ناز پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ[1]

بال جبریل اور ضرب کلیم میں اقبال کی منظر نگاری کے نمونے اس کثرت سے دستیاب نہیں جیسا کہ بانگ درا میں ہے ۔ اقبال مناظر کے بجائے اب انسانی دنیا کے مسائل ، مذہب اور اخلاق کے باریک نکتوں کی طرف متوجہ ہیں چنانچہ موخرالذکر دو کتابوں میں ایسے بہت کم اشعار ملتے ہیں جو منظر نگاری سے متعلق ہیں ۔

اقبال اپنے قارئین کو ان مناظر کی سیر کرانے میں جو خیالی اور تخیل سے تعلق رکھتے ہیں ۔ظاہر ہے یہاں بھی اقبال نے کمال کر دکھایا ہے ۔ اس کی بہت سی واضح مثالیں موجود ہیں جن میں حقیقت حسن محبت اور پھول جیسے خیالی واقعات اس خوبی سے قلمبند کئے گئے ہیں کہ داد دئے بغیر نہیں بنتی ۔ حقیقت حسن میں اس راز کو کس خوبی سے زمین پر پہنچا دیا گیا ہے کہ زوال حسن کی جان ہے اور یہ خیالی مرقع بے حد دلکش ہے ۔

---

[1] اقبال ۔کلیات اقبال ۔۔ ص 424 ۔اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی ۔ ۴

خیالی مرقعوں کی منظرکشی کے خوبصورت نقوش کلام اقبال میں جابجا
ملتے ہیں ۔ یہ اشعار کس قدر دلکش ہیں :

سہانی نمود جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہر کو تاج زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیم تابندگی تھی
کہیں شاخ ہستی کو لگتے تھے پتے
کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے آرہی تھی[1]

پیدائش آدم ہے جو اقبال کی نظم
خیالی نقشہ ۔ [illegible] شان
مظاہر فطرت کا پہلا حصہ ہے ۔ اس کے ایک ایک حرف سے عظمت اور جلال
[illegible] نظر آتی ہے اور انکی آمد کا نظارہ دیکھکر ہم فخرو ناز
[illegible] زمین و آسمان
سے پھولے نہیں سماتے ۔ گلشن فطرت موجود ، ساکنان قدس موجود ، زمین و آسمان
موجود ، لیکن اگر کمی تھی تو رونق کی ، ہنگامے کی جسے انسان کو پیدا کرکے
پورا کردیا جاتا ہے ۔

1 ــ اقبال ــ کلام اقبال [illegible]

نعره زد عشق که خونین جگرے پیدا شد

حسن لرزید که صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت که از خاک جهان مجبور

خودگرے ، خودشکنے ، خودنگرے پیدا شد

زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر

تا ازین گنبد دیرینه درے پیدا شد[1]

1